ISLAMI USOOL KI FALASAFI YA TAGREER JALSA-E-AZAM MAZAHIB.

- Mirza Ghulam Ahmad.
- Matba Magazine (Qaadyaan) (Punjab)
- 1896.
- 148.

ر —

والصّٰفّٰتِ صَفًّا فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ

انیسویں صدی کی زبردست یادگار

اسلامی اصول کی فلاسفی

یا

تقریر جلسہ اعظم مذاہب

یعنی تقریر حضرت حجۃ اللہ میرزا غلام احمد صاحب۔ مسیح موعود و مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام جسکو جلسہ اعظم مذاہب (دسمبر [illegible]) لاہور میں حضرت مولانا مولوی عبدالکریم صاحب نے پڑھکر سنایا۔
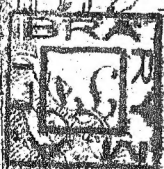
مطبع میگزین۔ قادیان میں باشر فقیر اللہ اسسٹنٹ مینجر میگزین کے اہتمام سے صدر انجمن احمدیہ۔ قادیان کیلئے طبع ہوئی

ٹیچنگز آف اسلام

پبلک کے دینی اور روحانی فائدہ کو مدِ نظر رکھکر اور تبلیغ اسلام کا بڑا ذریعہ سمجھکر اس کتاب یعنی اسلامی اصول کی فلاسفی (یا تقریر جلسہ اعظم مذاہب) کا انگریزی ترجمہ کرکے ولایت میں چھپوایا گیا ہے۔ اور اس کی بہت سی کاپیاں ولایت اور دیگر بلاد یورپ - امریکہ - جاپان وغیرہ میں مفت تقسیم کی گئی ہیں۔ اور کچھ کاپیاں فروخت کے لیئے یہاں بھی منگوائی گئی ہیں۔ یہ کتاب اس قابل ہے کہ ہر ایک انگریزی خوان مسلمان کے ہاتھ میں ہو۔ احباب خود بھی خریدیں اور تبلیغ اسلام کے لیئے چند کاپیاں خرید کر مفت تقسیم کرکے اس کا اجر اللہ تعالےٰ سے لیں۔ قیمت بغرض توسیع اشاعت باوجود ۲۰۰ صفحہ اور عمدہ ولائتی کاغذ اور خوبصورت جلد کے بہت ہی تھوڑی رکھی ہے۔ یعنی صرف عہ - بے جلد کی قیمت ۱۲ر

محصول ڈاک اس کے علاوہ ہے

ملنے کا پتہ

منیجر میگزین - قادیان ضلع گورداسپور - پنجاب

م جو صد نہیں تھوا پہلے اس کتاب کی قیمت ... تھی مگر پبلک کے فائدہ اور ہمدردی کے خیال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلام

اس عنوان کے نیچے ہم اس عظیم الشان مضمون کو درج کریں گے جو حضرۃ میرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان کی طرف سے جلسۂ اعظم مذاہب پر جو دسمبر ۱۸۹۶ء میں منعقد ہوا تھا پڑھا گیا۔ اس کانفرنس کے محرکوں کی طرف سے مفصلہ ذیل پانچ سوال اس غرض کے لیئے شائع ہوئے تھے کہ مختلف مذاہب کے علماء ان کے جوابات اپنے اپنے مذہب کے رُو سے اس جلسہ میں پیش کریں :-

(۱) انسان کی جسمانی۔ اخلاقی اور روحانی حالتیں۔

(۲) انسان کی زندگی کے بعد کی حالت یعنی عقبےٰ۔

(۳) دنیا میں انسان کی اصل غرض اور اس غرض کی تکمیل کے اسباب۔

(۴) کرم یعنی اعمال کا اثر دنیا و عاقبت میں۔

(۵) علم یعنی گیان اور معرفت کے ذرائع اور وسیلے۔

اسلام

مضمون عالیجناب حضرت میرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان

جس کو مولانا مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی نے

بمقام لاہور جلسہ اعظم مذاہب دھرم مہوتسو میں ۲۷-دسمبر ۱۸۹۶ء

کو کھڑے ہو کر سنایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم

دعویٰ اور دلیل الہامی کتاب سے ہونا ضروری ہے

آج اس جلسہ مبارک میں جس کی غرض یہ ہے کہ ہر ایک صاحب جو بلائے گئے ہیں سوالات مشتہرہ کی پابندی سے اپنے اپنے مذہب کی خوبیاں بیان فرماویں میں اسلام کی خوبیاں بیان کروں گا اور اس سے پہلے کہ میں اپنے مطلب کو شروع کروں اس قدر ظاہر کر دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ میں نے اس بات کا التزام کیا ہے کہ جو کچھ بیان کروں خدائے تعالیٰ کے پاک کلام قرآن شریف سے بیان کروں کیونکہ میرے نزدیک یہ بہت ضروری ہے کہ ہر ایک شخص جو کسی کتاب کا پابند ہو اور اس کتاب کو ربّانی کتاب سمجھتا ہو وہ ہر ایک بات میں اسی کتاب کے حوالہ سے جواب دے اور اپنی وکالت کے اختیارات کو ایسا وسیع

نہ کرے کہ گویا وہ ایک نئی کتاب بنا رہا ہے۔ سو چونکہ آج ہمیں قرآن شریف کی
خوبیوں کو ثابت کرنا ہے اور اس کے کمالات کو دکھلانا ہے اس لیئے مناسب
ہے کہ ہم کسی بات میں اس کے اپنے بیان سے باہر نہ جائیں اور اسی کے
اشارہ یا تصریح کے موافق اور اسی کی آیات کے حوالہ سے ہر ایک مقصد کو
تحریر کریں تا ناظرین کو موازنہ اور مقابلہ کرنے کے لیئے آسانی ہو اور چونکہ ہر ایک
صاحب جو پابند کتاب ہیں اپنی اپنی الہامی کتاب کے بیان کے پابند رہیں گے
اور اسی کتاب کے اقوال پیش کریں گے اس لیئے ہم نے اس جگہ احادیث
کے بیان کو چھوڑ دیا ہے۔ کیونکہ تمام صحیح حدیثیں قرآن شریف سے ہی لیگئی
ہیں اور وہ کامل کتاب ہے جس پر تمام کتابوں کا خاتمہ ہے۔ غرض آج قرآن
کی شان ظاہر ہونے کا دن ہے اور ہم خدا سے دعا مانگتے ہیں کہ وہ اس
کام میں ہمارا مددگار ہو۔ آمین ؎

سوال اوّل کا جواب

معزز ناظرین کو خیال رہے کہ اس مضمون کے ابتدائی صفحوں میں بعض
تمہیدی عبارتیں ہیں جو بظاہر غیر متعلق معلوم دیتی ہیں مگر اصل جوابات کے
سمجھنے کے لیئے پہلے ان کا سمجھنا نہایت ضروری ہے اس لیئے قبل از
شروع مطلب ان عبارتوں کو لکھا گیا کہ تا اصل مطلب سمجھنے میں دقت نہ ہو۔

اب واضح ہو کہ پہلا سوال انسان کی طبعی اور اخلاقی اور روحانی حالتوں کے
بارے میں ہے۔ سو جاننا چاہیئے کہ خدائے تعالیٰ کے پاک کلام قرآن شریف نے
ان تین حالتوں کی اس طرح پر تقسیم کی ہے کہ ان تینوں کے لیئے علیحدہ علیحدہ تین
مبدء ٹھہرائے ہیں۔ یا یوں کہو کہ تین سرچشمے قرار دیئے ہیں جن میں سے جدا جدا

یہ حالتیں نکلتی ہیں۔

پہلا نفس امّارہ

پہلا سرچشمہ جو تمام طبعی حالتوں کا مورد اور مصدر ہے اس کا نام قرآن شریف نے نفس امّارہ رکھا ہے۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ ۱۳/۱ یعنی نفس امّارہ میں یہ خاصیّت ہے کہ وہ انسان کو بدی کی طرف جو اس کے کمال کے مخالف اور اس کی اخلاقی حالتوں کے برعکس ہے جھکاتا ہے اور ناپسندیدہ اور بد راہوں پر چلانا چاہتا ہے۔ غرض بے اعتدالیوں اور بدیوں کی طرف جانا انسان کی ایک حالت ہے جو اخلاقی حالت سے پہلے اس پر طبعاً غالب ہوتی ہے اور یہ حالت اس وقت تک طبعی حالت کہلاتی ہے جب تک کہ انسان عقل اور معرفت کے زیر سایہ نہیں چلتا بلکہ چارپایوں کی طرح کھانے پینے سونے جاگنے یا غصّہ اور جوش دکھانے وغیرہ امور میں طبعی جذبات کا پیرو رہتا ہے اور جب انسان عقل اور معرفت کے مشورہ سے طبعی حالتوں میں تصرف کرتا اور اعتدال مطلوب کی رعایت رکھتا ہے اس وقت ان تینوں حالتوں کا نام طبعی حالتیں نہیں رہتا بلکہ اس وقت یہ حالتیں اخلاقی حالتیں کہلاتی ہیں جیسا کہ آگے بھی کچھ ذکر اس کا آئے گا۔

دوسرا نفس لوّامہ

اور اخلاقی حالتوں کے دوسرے سرچشمہ کا نام قرآن شریف میں نفس لوّامہ ہے جیسا کہ قرآن شریف فرماتا ہے وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ یعنی میں اس نفس کی قسم کھاتا ہوں جو بدی کے کام اور ہر ایک بے اعتدالی پر اپنے تئیں ملامت کرتا ہے یہ نفس لوّامہ انسانی حالتوں کا دوسرا سرچشمہ ہے جس سے اخلاقی حالتیں پیدا ہوتی ہیں اور اس مرتبہ پر انسان دوسرے حیوانات کی مشابہت سے نجات پاتا ہے اور اس جگہ نفس لوّامہ کی قسم کھانا اس کو عزت دینے کیلئے ہے گویا وہ نفس امّارہ سے نفس لوّامہ بنکر بوجہ اس ترقی کے

جناب الٰہی میں عزت پانے کے لائق ہو گیا اور اس کا نام لوّامہ اس لئے رکھا کہ
وہ انسان کو بدی پر ملامت کرتا ہے اور اس بات پر راضی نہیں ہوتا کہ انسان اپنے
طبعی لوازم میں شتر بے مہار کی طرح چلے اور چارپایوں کی زندگی بسر کرے بلکہ
یہ چاہتا ہے کہ اس سے اچھی حالتیں اور اچھے اخلاق صادر ہوں اور انسانی
زندگی کے تمام لوازم میں کوئی بے اعتدالی ظہور میں نہ آوے۔ اور طبعی
جذبات اور طبعی خواہشیں عقل کے مشورہ سے ظہور پذیر ہوں۔ پس چونکہ وہ
بری حرکت پر ملامت کرتا ہے اس لئے اس کا نام نفس لوّامہ ہے یعنی بہت
ملامت کرنے والا۔ اور نفس لوّامہ اگرچہ طبعی جذبات پسند نہیں کرتا بلکہ اپنے
تئیں ملامت کرتا رہتا ہے لیکن نیکیوں کے بجالانے پر پورے طور سے قادر
بھی نہیں ہو سکتا۔ اور کبھی نہ کبھی طبعی جذبات اس پر غلبہ کر جاتے ہیں تب
گر جاتا ہے اور ٹھوکر کھاتا ہے گویا وہ ایک کمزور بچہ کی طرح ہوتا ہے جو گرنا نہیں
چاہتا ہے مگر کمزوری کی وجہ سے گرتا ہے۔ پھر اپنی کمزوری پر نادم ہوتا ہے۔
غرض یہ نفس کی وہ اخلاقی حالت ہے جب نفس اخلاق فاضلہ کو اپنے اندر
جمع کرتا ہے اور سرکشی سے بیزار ہوتا ہے مگر پورے طور پر غالب نہیں آسکتا۔

پھر ایک تیسرا چشمہ ہے جس کو روحانی حالتوں کا مبدء کہنا چاہیئے۔ اس
سرچشمہ کا نام قرآن شریف نے نفس مطمئنہ رکھا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے
يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً
مَّرْضِيَّةً ۝ فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي ۝ یعنی اے
نفس آرام یافتہ جو خدا سے آرام پا گیا اپنے خدا کی طرف واپس چلا آ تو اس سے
راضی اور وہ تجھ سے راضی پس میرے بندوں میں مل جا اور میرے بہشت
کے اندر آجا۔ یہ وہ مرتبہ ہے جس میں نفس تمام کمزوریوں سے نجات پا کر

روحانی قوتوں سے بھر جاتا ہے اور خدائے تعالیٰ سے ایسا پیوند کر لیتا ہے کہ بغیر اس کے جی بھی نہیں سکتا اور جسطرح پانی اوپر سے نیچے کی طرف بہتا اور بسبب اپنی کثرت کے اور نیز روکوں کے دور ہونے سے بڑے زور سے چلتا ہے اسی طرح وہ خدا کی طرف بہتا چلا جاتا ہے۔ اسی کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے وہ نفس جو خدا سے آرام پا گیا اس کی طرف واپس چلا آ۔ پس وہ اسی زندگی میں نہ موت کے بعد ایک عظیم الشان تبدیلی پیدا کرتا ہے اور اسی دنیا میں نہ دوسری جگہ ایک بہشت اس کو ملتا ہے اور جیسا کہ اس آیت میں لکھا ہے کہ اپنے رب کی طرف یعنی پرورش کرنے والے کی طرف واپس آ۔ ایسا ہی اس وقت یہ خدا سے پرورش پاتا ہے اور خدا کی محبت اس کی غذا ہوتی ہے اور اسی زندگی بخش چشمہ سے پانی پیتا ہے اس لئے موت سے نجات پاتا ہے جیسا کہ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا۔ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا۔ یعنی جس نے ارضی جذبات سے اپنے نفس کو پاک کیا وہ بچ گیا اور نہیں ہلاک ہوگا مگر جس نے ارضی جذبات میں جو طبعی جذبات ہیں اپنے تئیں چھپا دیا وہ زندگی سے ناامید ہو گیا۔

غرض یہ تین حالتیں ہیں جن کو دوسرے لفظوں میں طبعی اور اخلاقی اور روحانی حالتیں کہہ سکتے ہیں اور چونکہ طبعی تقاضے افراط کے وقت بہت خطرناک ہو جاتے ہیں اور بسا اوقات اخلاق اور روحانیت کا ستیاناس کر دیتے ہیں اس لئے خدائے تعالیٰ کی پاک کتاب میں انکو نفس امارہ کی حالتوں سے موسوم کیا گیا۔ اگر یہ سوال ہو کہ انسان کی طبعی حالتوں پر قرآن شریف کا کیا اثر ہے۔ اور وہ انکی نسبت کیا ہدایت دیتا ہے اور عملی طور پر کس حد تک انکو رکھنا چاہتا ہے تو واضح ہو کہ قرآن شریف کے رو سے انسان کی طبعی حالتوں کو اسکی

اخلاقی اور روحانی حالتوں سے نہایت ہی شدید تعلقات واقع ہیں۔ یہاں تک کہ انسان کے کھانے پینے کے طریقے بھی انسان کی اخلاقی اور روحانی حالتوں پر اثر کرتے ہیں اور اگر ان طبعی حالتوں سے شریعت کی ہدایت کے موافق کام لیا جائے تو جیسا کہ نمک کی کان میں پڑ کر ہر ایک چیز نمک ہی ہو جاتی ہے ایسا ہی یہ تمام حالتیں اخلاقی ہی ہو جاتی ہیں اور روحانیت پر نہایت گہرا اثر کرتی ہیں۔ اسی واسطے قرآن شریف نے تمام عبادات اور اندرونی پاکیزگی کے اغراض اور خشوع خضوع کے مقاصد میں جسمانی طہارتوں اور جسمانی آداب اور جسمانی تعدیل کو بہت ملحوظ رکھا ہے اور غور کرنے کے وقت یہی فلاسفی نہایت صحیح معلوم ہوتی ہے کہ جسمانی اوضاع کا روح پر بہت قوی اثر ہے جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے طبعی افعال گو بظاہر جسمانی ہیں مگر ہماری روحانی حالتوں پر ضرور انکا اثر ہے مثلاً جب ہماری آنکھیں رونا شروع کریں اور گو تکلف سے ہی روویں مگر فی الفور ان آنسوؤں کا ایک شعلہ اٹھ کر دل پر جا پڑتا ہے۔ تب دل بھی آنکھوں کی پیروی کر کے غمگین ہو جاتا ہے ایسا ہی جب ہم تکلف سے ہنسنا شروع کریں تو دل میں بھی ایک انبساط پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ بھی دیکھا جاتا ہے۔ کہ جسمانی سجدہ بھی روح میں خشوع اور عاجزی کی حالت پیدا کر دیتا ہے اس کے مقابل پر ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ جب ہم گردن کو اونچی کھینچکر اور چھاتی کو ابھار کر چلیں تو یہ وضع رفتار ہم میں ایک قسم کا تکبر اور خود بینی پیدا کرتی ہے تو ان نمونوں سے پورے انکشاف کے ساتھ کھلجاتا ہے کہ بے شک جسمانی اوضاع کا روحانی حالتوں پر اثر ہے۔

ایسا ہی تجربہ ہم پر ظاہر کرتا ہے کہ طرح طرح کی غذاؤں کا بھی دماغی اور دلی قوتوں پر ضرور اثر ہے۔ مثلاً ذرہ غور سے دیکھنا چاہیئے کہ جو لوگ

کبھی گوشت نہیں کھاتے رفتہ رفتہ انکی شجاعت کی قوّت کم ہوتی جاتی ہے
یہانتک کہ نہایت دل کے کمزور ہو جاتے ہیں اور ایک خدا داد اور قابل تعریف
قوت کو کھو بیٹھتے ہیں اس کی شہادت خدا کے قانون قدرت سے اسطرح پر بھی
ملتی ہے کہ چارپایوں میں سے جس قدر گھاس خور جانور ہیں کوئی بھی انمیں سے
وہ شجاعت نہیں رکھتا جو ایک گوشت خوار جانور رکھتا ہے۔ پرندوں میں بھی
یہی بات مشاہدہ ہوتی ہے پس اس میں کیا شک ہے کہ اخلاق پر غذاؤں کا
اثر ہے۔ ہاں جو لوگ دن رات گوشت خوری پر زور دیتے ہیں اور نباتی
غذاؤں سے بہت ہی کم حصہ رکھتے ہیں وہ بھی حلم اور انکسار کے خُلق میں
کم ہو جاتے ہیں اور میانہ روش کو اختیار کرنیوالے دونوں خُلق کے وارث
ہوتے ہیں اسی حکمت کے لحاظ سے خدائے تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے
کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا یعنی گوشت بھی کھاؤ اور دوسری چیزیں
بھی کھاؤ۔ مگر کسی چیز کی حد سے زیادہ کثرت نہ کرو تا اس کا اخلاقی حالت پر بد اثر
نہ پڑے اور تا یہ کثرت مضر صحت بھی نہ ہو اور جیسا کہ جسمانی افعال اور اعمال
کا روح پر اثر پڑتا ہے ایسا ہی کبھی روح کا اثر بھی جسم پر جا پڑتا ہے۔ جس
شخص کو کوئی غم پہنچے آخر وہ چشم پُر آب ہو جاتا ہے اور جس کو خوشی ہو آخر وہ
تبسّم کرتا ہے جس قدر ہمارا کھانا پینا سونا جاگنا حرکت کرنا۔ آرام کرنا غسل کرنا
وغیرہ افعال طبعیہ ہیں یہ تمام افعال ضروری ہماری روحانی حالات پر اثر کرتے ہیں۔
ہماری جسمانی بناوٹ کا ہماری انسانیت سے بڑا تعلق ہے۔ دماغ کے ایک
مقام پر چوٹ لگنے سے یکلخت حافظہ جاتا رہتا ہے اور دوسرے مقام پر چوٹ
لگنے سے ہوش و حواس رخصت ہوتے ہیں۔ وبا کی ایک زہریلی ہوا کسقدر
جلدی سے جسم میں اثر کر کے پھر دل میں اثر کرتی ہے اور دیکھتے دیکھتے وہ

اندرونی سلسلہ جس کے ساتھ تمام نظام اخلاق کا ہے درہم برہم ہونے لگتا ہے یہاں تک کہ انسان دیوانہ سا ہو کر چند منٹ میں گذر جاتا ہے غرض جسمانی صدمات بھی عجیب نظارہ دکھاتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ روح اور جسم کا ایک ایسا تعلق ہے کہ اس راز کو کھولنا انسان کا کام نہیں۔ اس سے زیادہ اس تعلق کے ثبوت پر یہ دلیل ہے کہ غور سے معلوم ہوتا ہے کہ روح کی ماں جسم ہی ہے حاملہ عورتوں کے پیٹ میں روح کبھی اوپر سے نہیں گرتی بلکہ وہ ایک نور ہے جو نطفہ میں ہی پوشیدہ طور پر مخفی ہوتا ہے اور جسم کے نشوونما کے ساتھ چمکتا جاتا ہے۔ خدائے تعالیٰ کا پاک کلام ہمیں سمجھاتا ہے کہ روح اس قالب میں سے ہی ظہور پذیر ہو جاتی ہے جو نطفہ سے رحم میں تیار ہوتا ہے جیسا کہ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ؕ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ؕ یعنی پھر ہم اس جسم کو جو رحم میں تیار ہوا تھا ایک اور پیدائش کے رنگ میں لاتے ہیں اور ایک اور خلقت اس کی ظاہر کرتے ہیں جو روح کے نام سے موسوم ہے اور خدا بہت برکتوں والا ہے اور ایسا خالق ہے کہ کوئی اس کے برابر نہیں ؛

اور یہ جو فرمایا کہ ہم اسی جسم میں سے ایک اور پیدائش ظاہر کرتے ہیں یہ ایک گہرا راز ہے جو روح کی حقیقت دکھا رہا ہے اور ان نہایت مستحکم تعلقات کی طرف اشارہ کر رہا ہے جو روح اور جسم کے درمیان واقع ہیں۔ اور یہ اشارہ ہمیں اس بات کی بھی تعلیم دیتا ہے کہ انسان کے جسمانی اعمال اور اقوال اور تمام طبعی افعال جب خدائے تعالیٰ کے لیئے اور اس کی راہ میں ظاہر ہونے شروع ہوں تو ان سے بھی یہی الٰہی فلاسفی متعلق ہے یعنی ان مخلصانہ اعمال میں بھی ابتدا ہی سے ایک روح مخفی ہوتی ہے جیسا کہ

نطفہ میں مخفی تھی اور جیسے جیسے ان اعمال کا قالب تیار ہوتا جائے وہ روح چمکتی جاتی ہے اور جب وہ قالب پورا تیار ہو چکتا ہے تو یکدفعہ وہ روح اپنی کامل تجلی کے ساتھ چمک اٹھتی ہے اور اپنی روحی حیثیت سے اپنے وجود کو دکھا دیتی ہے اور زندگی کی صریح حرکت شروع ہو جاتی ہے جبھی کہ اعمال کا پورا قالب تیار ہو جاتا ہے معاً بجلی کی طرح ایک چیز اندر سے اپنی کھلی کھلی چمک دکھلانا شروع کر دیتی ہے یہ وہی زمانہ ہوتا ہے جس کی نسبت اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں مثالی طور سے فرماتا ہے فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ۔ یعنی جب میں نے اسکا قالب بنا لیا اور تجلیات کے تمام مظاہر درست کر لیئے اور اپنی روح اس میں پھونک دی تو تم سب لوگ اس کے لیئے زمین پر سجدہ کرتے ہوئے گر جاؤ۔ سو اس آیت میں یہی اشارہ ہے کہ جب اعمال کا پورا قالب تیار ہو جاتا ہے تو اس قالب میں وہ روح چمک اٹھتی ہے جس کو خدائے تعالیٰ اپنی ذات کی طرف منسوب کرتا ہے کیونکہ دنیوی زندگی کے فنا کے بعد وہ قالب تیار ہوتا ہے اس لیئے الٰہی روشنی جو پہلے دھیمی تھی یکدفعہ بھڑک اٹھتی ہے اور واجب ہوتا ہے کہ خدا کی ایسی شان کو دیکھ کر ہر ایک سجدہ کرے اور اس کی طرف کھینچا جائے سو ہر ایک اس نور کو دیکھکر سجدہ کرتا ہے اور طبعاً اس طرف آتا ہے بجز ابلیس کے جو تاریکی سے دوستی رکھتا ہے ؛

روح کا مخلوق ہونا

پھر میں پہلی بات کی طرف رجوع کر کے بیان کرتا ہوں کہ یہ بات نہایت درست اور صحیح ہے کہ روح ایک لطیف نور ہے جو اس جسم کے اندر ہی سے پیدا ہو جاتا ہے جو رحم میں پرورش پاتا ہے۔ پیدا ہونے سے مراد یہ ہے کہ اول مخفی اور غیر محسوس ہوتا ہے پھر نمایاں ہو جاتا ہے

اور ابتدائً اس کا خمیر نطفہ میں موجود ہوتا ہے بے شک وہ آسمانی خدا کے ارادہ سے اور اس کے اذن اور اس کی مشیت سے ایک مجہول الکنہ علاقہ کے ساتھ نطفہ سے تعلق رکھتا ہے اور نطفہ کا وہ ایک روشن اور نورانی جوہر ہے نہیں کہہ سکتے کہ وہ نطفہ کی ایسی جزو ہے جیسا کہ جسم جسم کی جزو ہوتا ہے مگر یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ وہ باہر سے آتا ہے یا زمین پر گر کر نطفہ کے مادہ سے آمیزش پاتا ہے بلکہ وہ ایسا نطفہ میں مخفی ہوتا ہے جیسا کہ آگ پتھر کے اندر ہوتی ہے خدا کی کتاب کا یہ منشاء نہیں ہے کہ روح الگ طور پر آسمان سے نازل ہوتی ہے یا فضا سے زمین پر گرتی ہے اور پھر کسی اتفاق سے نطفہ کے ساتھ ملکر رحم کے اندر چلی جاتی ہے بلکہ یہ خیال کسی طرح صحیح نہیں ٹھہر سکتا۔ اگر ہم ایسا خیال کریں تو قانون قدرت ہمیں باطل پر ٹھہراتا ہے ہم روز مشاہدہ کرتے ہیں کہ گندے اور باسی کھانوں ہیں اور گندے زخموں میں ہزارہا کیڑے پڑجاتے ہیں میلے کپڑوں میں صدہا جوئیں پڑجاتی ہیں۔ انسان کے پیٹ کے اندر بھی کدو دانے وغیرہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ اب کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ باہر سے آتے ہیں یا آسمان سے اترتے کسی کو دکھائی دیتے ہیں سو صحیح بات یہ ہے کہ روح جسم میں سے ہی نکلتی ہے اور اسی دلیل سے اس کا مخلوق ہونا بھی ثابت ہوتا ہے ؛

روح کی دوسری پیدائش

اب اسوقت ہمارا مطلب اس بیان سے یہ ہے کہ جس قادر مطلق نے روح کو قدرت کاملہ کے ساتھ جسم میں سے ہی نکالا ہے اس کا یہی ارادہ معلوم ہوتا ہے کہ روح کی دوسری پیدائش کو بھی جسم کے ذریعہ سے ہی ظہور میں لاوے روح کی حرکتیں ہمارے جسم کی حرکتوں پر موقوف ہیں جس طرف ہم جسم کو کھینچتے ہیں روح بھی بالضرور پیچھے پیچھے چلی آتی ہے اس لیئے انسان کی

طبعی حالتوں کی طرف متوجہ ہونا خدائے تعالیٰ کی سچی کتاب کا کام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف نے انسان کی طبعی حالتوں کی اصلاح کے لیئے بہت توجہ فرمائی ہے اور انسان کا ہنسنا۔ رونا۔ کھانا۔ پینا۔ سونا۔ بولنا۔ چُپ ہونا بیوی کرنا۔ مجرد رہنا۔ چلنا۔ اور ٹھیرنا اور ظاہری پاکیزگی غسل وغیرہ کی شرائط بجالانا اور بیماری کیحالت اور صحت کی حالت میں خاص خاص امور کا پابند ہونا ان سب باتوں پر ہدایتیں لکھی ہیں اور انسان کی جسمانی حالتوں کو روحانی حالتوں پر بہت ہی مؤثر قرار دیا ہے۔ اگر ان حالتوں کو تفصیل سے لکھا جائے تو مَیں خیال نہیں کرسکتا کہ اس مضمون کے سنانے کے لیئے کوئی وقت کافی مل سکے ۔

مَیں جب خدا کے پاک کلام پر غور کرتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ کیونکر اس نے اپنی تعلیموں میں انسان کو اسکی طبعی حالتوں کی اصلاح کے قواعد فرما کر پھر آہستہ آہستہ اوپر کی طرف کھینچا ہے اور اعلیٰ درجہ کی روحانی حالت تک پہنچانا چاہا ہے تو مجھے یہ پُر معرفت قاعدہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ اوّل خدا نے یہ چاہا ہے کہ انسان کو نشست برخاست اور کھانے پینے اور بات چیت اور تمام اقسام معاشرت کے طریق سکھلا کر اس کو وحشیانہ طریقوں سے نجات دیوے اور حیوانات کی مشابہت سے تمیز کلی بخش کر ایک ادنیٰ درجہ کی اخلاقی حالت جسکو ادب اور شائستگی کے نام سے موسوم کرسکتے ہیں سکھلا دے پھر انسان کی نیچرل عادات کو جن کو دوسرے لفظوں میں اخلاق رذیلہ کہہ سکتے ہیں اعتدال پر لاوے تا وہ اعتدال پاکر اخلاق فاضلہ کے رنگ میں آجائیں مگر یہ دونوں طریقے دراصل ایک ہی ہیں کیونکہ طبعی حالتوں کی اصلاح کے متعلق ہیں صرف اعلیٰ اور ادنیٰ درجہ کے فرق نے انکو دو قسم بنا دیا ہے

انسان کی تدریجی ترقی

اور اس حکیم مطلق نے اخلاق کے نظام کو ایسے طور سے پیش کیا ہے کہ جس سے انسان ادنیٰ خُلق سے اعلیٰ تک ترقی کر سکے۔

اور پھر تیسرا مرحلہ ترقیات کا یہ رکھا ہے کہ انسان اپنے خالق حقیقی کی محبّت اور رضا میں محو ہو جائے اور سب وجود اس کا خدا کے لیئے ہو جائے یہ وہ مرتبہ ہے جس کو یاد دلانے کے لیئے مسلمانوں کے دین کا نام اسلام رکھا گیا ہے کیونکہ اسلام اس بات کو کہتے ہیں کہ بکلی خدا کے لیئے ہو جانا اور اپنا کچھ باقی نہ رکھنا جیسا کہ اللہ جل جلالہٗ فرماتا ہے۔ بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۝ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ترجمہ۔ یعنی نجات یافتہ وہ شخص ہے جو اپنے وجود کو خدا کے لیئے اور خدا کی راہ میں قربانی کی طرح رکھدے اور نہ صرف نیت سے بلکہ نیک کاموں سے اپنے صدق کو دکھلا دے جو شخص ایسا کرے اس کا بدلہ خدا کے نزدیک مقرر ہو چکا اور ایسے لوگوں پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہونگے۔ کہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا زندہ رہنا اور میرا مرنا اس خدا کے لیئے ہے جسکی ربوبیت تمام چیزوں پر محیط ہے کوئی چیز اور کوئی شخص اس کا شریک نہیں اور مخلوق میں کو کسی قسم کی شراکت اس کے ساتھ نہیں مجھے یہی حکم

ہے کہ مَیں ایسا کروں اور اسلام کے مفہوم پر قائم ہونے والا یعنی خدا کی راہ میں اپنے وجود کی قربانی دینے والا سب سے اوّل مَیں ہوں۔ یہ میری راہ ہے سو آؤ میری راہ اختیار کرو اور اس کے مخالف کوئی راہ اختیار نہ کرو کہ خدا سے دُور جا پڑو گے ان کو کہدے کہ اگر خدا سے پیار کرتے ہو تو آؤ میرے پیچھے ہولو اور میری راہ پر چلو تا خدا بھی تم سے پیار کرے اور تمہارے گناہ بخشے اور وہ تو بخشندہ اور رحیم ہے ؀

اب ہم انسان کے ان تین مرحلوں کا جدا جدا بیان کرینگے لیکن اول یہ یاد دلانا ضروری ہے کہ طبعی حالتیں جن کا سرچشمہ اور مبدء نفس امّارہ ہے خدائے تعالیٰ کے پاک کلام کے اشارات کے موافق اخلاقی حالتوں سے کوئی الگ چیز نہیں ہے کیونکہ خدا کے پاک کلام نے تمام نیچرل قویٰ اور جسمانی خواہشوں اور تقاضوں کو طبعی حالات کی مد میں رکھا ہے اور وہی طبعی حالتیں ہیں جو بالارادہ ترتیب اور تعدیل اور موقع بینی اور محل پر استعمال کرنے کے بعد اخلاق کا رنگ پکڑ لیتی ہیں ایسا ہی اخلاقی حالتیں روحانی حالتوں سے کوئی الگ باتیں نہیں ہیں بلکہ وہی اخلاقی حالتیں ہیں جو پورے فنا فی اللہ اور تزکیہ نفس اور پورے انقطاع الی اللہ اور پوری محبت اور پوری محوّیت اور پوری سکینت اور اطمینان اور پوری موافقت باللہ سے روحانیت کا رنگ پکڑ لیتی ہیں طبعی حالتیں جب تک اخلاقی رنگ میں نہ آئیں کسی طرح انسان کو قابل تعریف نہیں بناتیں کیونکہ وہ دوسرے حیوانات بلکہ جمادات میں بھی پائی جاتی ہیں ایسا ہی مجرد اخلاق کا حاصل کرنا بھی انسان کو روحانی زندگی نہیں بخشتا بلکہ ایک شخص خدائے تعالیٰ کے وجود سے بھی منکر رہکر اچھے اخلاق دکھلا سکتا ہے دل کا غریب ہونا یا دل کا حلیم ہونا یا صلح کار ہونا

طبعی حالتوں اور اخلاق میں مابہ الامتیاز

یا انگ شتر گربا اور شتر بر کے مقابلہ پر نہ آنا یہ تمام طبعی حالتیں ہیں اور ایسی باتیں ہیں ہر ایک نااہل کو بھی حاصل ہو سکتی ہیں جو اصل سرچشمہ نجات سے بے نصیب اور ناآشنا محض ہے اور بہت سے چار پائے غریب بھی ہوتے ہیں اور ہلنے اور خونپذیر ہونے سے صلحکاری بھی دکھلاتے ہیں سوٹے پر سوٹا مارنے سے کوئی مقابلہ نہیں کرتے مگر پھر بھی انکو انسان نہیں کہ سکتے چہ جائیکہ ان خصلتوں سے وہ اعلیٰ درجہ کے انسان بن سکیں۔ ایسا ہی بد سے بد عقیدہ والا بلکہ بعض بدکاریوں کا مرتکب ان باتوں کا پابند ہو سکتا ہے ممکن ہے کہ انسان رحم میں اس حد تک پہنچ جائے کہ اگر اس کے اپنے ہی زخم میں کیڑے پڑیں انکو بھی قتل کرنا روا نہ رکھے اور جانداروں کی پاسداری اس قدر کرے کہ جوئیں جو سر میں پڑتی ہیں یا وہ کیڑے جو پیٹ اور انتڑیوں میں اور دماغ میں پیدا ہوتے ہیں انکو بھی آزار دینا نہ چاہے بلکہ میں قبول کر سکتا ہوں کہ کسی کا رحم اس حد تک پہنچے کہ وہ شہد کھانا ترک کر دے کیونکہ وہ بہت سی جانوں کے تلف ہونے اور غریب مکھیوں کو انکے استحان سے پراگندہ کرنے کے بعد حاصل ہوتا ہے اور میں مانتا ہوں کہ کوئی مشک سے بھی پرہیز کرے کیونکہ وہ غریب ہرن کا خون ہے اور اس غریب کو قتل کرنے اور بچوں سے جدا کرنے کے بعد میسر آسکتا ہے ایسا ہی مجھے اس سے بھی انکار نہیں کہ کوئی موتیوں کے استعمال کو بھی چھوڑ دے اور ابریشم کو پہننا بھی ترک کرے کیونکہ یہ دونوں غریب کیڑوں کے ہلاک کرنے سے ملتے ہیں بلکہ میں یہانتک مانتا ہوں کہ کوئی شخص دکھ کے وقت جوکوں کے لگانے سے بھی پرہیز کرے اور آپ دکھ اٹھالے اور غریب جوک کی موت کا خواہاں نہ ہو۔ بالآخر اگر کوئی مانے یا مانے مگر میں مانتا ہوں کہ کوئی

رحم کا صحیح طریق

شخص اسقدر رحم کو کمال کے نقطہ تک پہنچاوے کہ پانی پینا چھوڑ دے اور اس طرح پانی کے کیڑوں کے بچانے کے لئے اپنے تئیں ہلاک کرے میں یہ سب کچھ قبول کرتا ہوں لیکن میں ہرگز قبول نہیں کر سکتا کہ یہ تمام طبعی حالتیں اخلاق کہلا سکتی ہیں۔ یا صرف انہی سے وہ اندرونی گند دھوئے جا سکتے ہیں جن کا وجود خدا کے ملنے کی روک ہے۔ میں کبھی باور نہیں کروں گا کہ اس طرح کا غریب اور بے آزار بننا جس میں بعض چارپایوں اور پرندوں کا کچھ نمبر بڑھا ہوا ہے اعلیٰ انسانیت کے حصول کا موجب ہو سکتا ہے بلکہ میرے نزدیک یہ قانون قدرت سے لڑائی ہے اور رضا کے بھاری خُلق کے برخلاف اور اس نعمت کو رد کرنا ہے جو قدرت نے ہم کو عطا کی ہے بلکہ وہ روحانیت ہر ایک خُلق کو محل اور موقعہ پر استعمال کرنے کے بعد اور پھر خدا کی راہوں میں وفاداری کے ساتھ قدم مارنے سے اور اسی کا ہو جانے سے ملتی ہے جو اس کا ہو جاتا ہے اس کی یہی نشانی ہے کہ وہ اس کے بغیر جی ہی نہیں سکتا۔ عارف ایک مچھلی ہے جو خدا کے ہاتھ سے ذبح کی گئی اور اس کا پانی خدا کی محبت ہے *

اب میں پہلے کلام کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ میں ابھی ذکر کر چکا ہوں کہ انسانی حالتوں کے سرچشمے تین ہیں یعنی نفس امّارہ۔ نفس لوّامہ۔ نفس مطمئنّہ۔ اور طریق اصلاح کے بھی تین ہیں۔ اول یہ کہ بے تمیز وحشیوں کو اس ادنیٰ خلق پر قایم کیا جائے کہ وہ کھانے پینے اور شادی وغیرہ تمدّنی امور میں انسانیت کے طریقے پر چلیں نہ ننگے پھریں اور نہ کتوں کی طرح مردار خوار ہوں اور نہ کوئی اور بے تمیزی ظاہر کریں یہ طبعی حالتوں کی اصلاح ہوں میں سے ادنیٰ درجہ کی اصلاح ہے۔ یہ اس قسم کی ہے کہ اگر مثلاً پورٹ بلیر

اصلاح کے تین طریق

فرش نہایت مصفا شیشوں سے کیا گیا ہے اور پھر ان شیشوں کے نیچے پانی چھوڑا گیا ہے جو نہایت تیزی سے چل رہا ہے۔ اب ہر ایک نظر جو شیشوں پر پڑتی ہے وہ اپنی غلطی سے ان شیشوں کو بھی پانی سمجھ لیتی ہے اور پھر انسان ان شیشوں پر چلنے سے ایسا ڈرتا ہے جیسا کہ پانی سے ڈرنا چاہیئے حالانکہ وہ درحقیقت شیشے ہیں مگر صاف شفاف۔ سو یہ بڑے بڑے اجرام جو نظر آتے ہیں جیسے آفتاب و ماہتاب وغیرہ یہ وہی صاف شیشے ہیں جن کی غلطی سے پرستش کی گئی اور ان کے نیچے ایک اعلیٰ طاقت کام کر رہی ہے جو ان شیشوں کے پردہ میں پانی کی طرح بڑی تیزی سے چل رہی ہے اور مخلوق پرستوں کی نظر کی یہ غلطی ہے کہ انہی شیشوں کی طرف کام کو منسوب کر رہے ہیں جو ان کے نیچے طاقت دکھلا رہی ہے یہی تفسیر اس آیت کریمہ کی ہے اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ۔ غرض چونکہ خدائے تعالیٰ کی ذات باوجود نہایت روشن ہونے کے پھر بھی نہایت مخفی ہوتی ہے اس لیئے اسکی شناخت کے لیئے صرف یہ نظام جسمانی جو ہماری نظروں کے سامنے ہے کافی نہ تھا اور یہی وجہ ہے کہ ایسے نظام پر مدار رکھنے والے باوجودیکہ اس ترتیب ابلغ اور محکم کو جو صدہا عجائبات پر مشتمل ہے نہایت غور کی نظر سے دیکھتے رہے بلکہ ہیئت اور طبعی اور فلسفہ میں وہ مہارتیں پیدا کیں کہ گویا زمین و آسمان کے اندر دھس گئے مگر پھر بھی شکوک اور شبہات کی تاریکی سے نجات نہ پا سکے اور اکثر ان میں طرح طرح کی خطاؤں میں مبتلا ہوگئے اور بیہودہ اوہام میں پڑ کر کہیں کے کہیں چلے گئے اور اگر انکو اس صانع کے وجود کی طرف کچھ خیال بھی آیا تو بس اسیقدر کہ اعلیٰ اور عمدہ نظام کو دیکھکر یہ انکے دل میں پڑا کہ اس عظیم الشان سلسلہ کا جو پرحکمت نظام اپنے ساتھ رکھتا ہے کوئی پیدا کرنے والا ضرور چاہیئے مگر ظاہر ہے کہ یہ خیال ناتمام اور یہ معرفت ناقص ہے کیونکہ یہ کہنا کہ اس سلسلہ کیلیئے ایک خدا کی ضرورت ہے اس دوسرے کلام سے ہرگز مساوی نہیں کہ وہ خدا درحقیقت ہے بھی

غرض یہ انکی صرف قیاسی معرفت تھی جو دلکو اطمینان اور سکینت نہیں بخش سکتی اور نہ شکوک کو بکلی دلپر سے اُٹھا سکتی ہے اور نہ یہ ایسا پیالہ ہے جس سے وہ پیاس معرفت تامہ کی بجھ سکے جو انسان کی فطرت کو لگائی گئی ہے بلکہ ایسی معرفت ناقصہ نہایت پُرخطر ہوتی ہے کیونکہ بہت شور ڈالنے کے بعد پھر آخر ہیچ اور نتیجہ ندارد ہے۔ غرض جبتک خود خدائے تعالیٰ اپنے موجود ہونیکو اپنے کلام سے ظاہر نہ کرے جیسا کہ اُس نے اپنے کام سے ظاہر کیا تب تک صرف کام کا ملاحظہ تسلی بخش نہیں ہے مثلاً اگر ہم ایک ایسی کوٹھڑی کو دیکھیں جس میں یہ بات عجیب ہو کہ اندر سے کنڈیاں لگائی گئی ہیں تو اس فعل سے ہم ضرور اول یہ خیال کریں گے کہ کوئی انسان اندر ہے جس نے اندر سے زنجیر کو لگایا ہے کیونکہ باہر سے اندر کی زنجیروں کو لگانا غیر ممکن ہے لیکن جب ایک مدت تک بلکہ برسوں تک باوجود بار بار آواز دینے کے اس انسان کی طرف سے کوئی آواز نہ آوے تو آخر یہ رائے ہماری کہ کوئی اندر ہے بدل جائے گی اور یہ خیال کرینگے کہ اندر کوئی نہیں بلکہ کسی حکمت عملی سے اندر کی کنڈیاں لگائی گئی ہیں یہی حال ان فلاسفروں کا ہے جنہوں نے صرف فعل کے مشاہدہ پر اپنی معرفت کو ختم کر دیا ہے یہ بڑی غلطی ہے جو خدا کو ایک مردہ کی طرح سمجھا جائے جسکا قبر سے نکالنا صرف انسان کا کام ہے۔ اگر خدا ایسا ہے جو صرف انسانی کوشش نے اس کا پتہ لگایا ہے تو ایسے خدا کی نسبت ہماری سب اُمیدیں عبث ہیں بلکہ خدا تو وہی ہے جو ہمیشہ سے اور قدیم سے آپ انا الموجود کہکر لوگوں کو اپنی طرف بلاتا رہا ہے یہ بڑی گستاخی ہوگی کہ ہم ایسا خیال کریں کہ اسکی معرفت میں انسان کا احسان اسپر ہے اور اگر فلاسفر نہ ہوتے تو گویا وہ گم کا گم ہی رہتا اور یہ کہنا کہ خدا کیونکر بول سکتا ہے کیا اُس کی زبان ہے یہ بھی ایک بڑی بیباکی ہے کیا اس نے جسمانی ہاتھوں کے بغیر تمام آسمانی اجرام اور زمین کو نہیں بنایا کیا وہ جسمانی آنکھوں کے بغیر تمام دنیا کو نہیں دیکھتا۔ کیا وہ جسمانی کانوں کے بغیر ہماری آوازیں نہیں سُنتا۔ پس کیا یہ ضروری نہ تھا

کہ اسی طرح وہ کلام بھی کرے یہ بات بھی ہرگز صحیح نہیں ہے کہ خدا کا کلام کرنا آگے نہیں بلکہ پیچھے رہ گیا ہے۔ ہم اسکے کلام اور مخاطبات پر کسی زمانہ تک مہر نہیں لگاتے بے شک وہ اب بھی ڈھونڈنے والوں کو الہامی چشمہ سے مالامال کرنیکو طیار ہے جیسا کہ پہلے تھا اور اب بھی اسکے فیضان کے ایسے دروازے کھلے ہیں جیسے کہ پہلے تھے۔ ہاں ضرورتوں کے ختم ہونے پر شریعتیں اور حدود ختم ہو گئیں اور تمام رسالتیں اور نبوتیں اپنے آخری نقطہ پر آکر جو ہمارے سید و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود تھا کمال کو پہنچ گئیں۔ اس آخری نور کا عرب سے ظاہر ہونا بھی خالی حکمت سے نہ تھا عرب اُس بنی اسمٰعیل کی قوم تھی جو اسرائیل سے منقطع ہو کر حکمت آلہی سے بیابان فاران میں ڈالدی گئی تھی اور فاران کے معنے ہیں دو فرار کرنیوالے یعنی بھاگنے والے۔ پس جنکو حضرت ابراہیم نے بنی اسرائیل سے علیحدہ کر دیا تھا انکا توریت کی شریعت میں کچھ حصہ نہیں رہا تھا جیسا کہ لکھا ہے کہ وہ اسحٰق کے ساتھ حصہ نہیں پائیں گے۔ پس تعلق والوں نے انہیں چھوڑ دیا اور کسی دوسرے سے انکا تعلق اور رشتہ نہ تھا دوسرے تمام ملکوں میں کچھ کچھ رسوم عبادات اور احکام کی پائی جاتی تھیں جن سے پتہ لگتا ہے کہ کسی وقت انکو نبیوں کی تعلیم پہنچی تھی۔ مگر صرف عرب کا ملک ہی ایک ایسا ملک تھا جو ان تعلیموں سے محض ناواقف تھا اور تمام جہان سے پیچھے رہا ہوا تھا اس لیئے آخر میں اسکی نوبت آئی اور اسکی نبوت عام ٹھہری تا تمام ملکوں کو دوبارہ برکات کا حصہ دیوے اور جو غلطی پڑ گئی تھی اسکو نکالدے پس ایسی کامل کتاب کے بعد کس کتاب کا انتظار کریں جسنے سارا کام انسانی اصلاح کا اپنے ہاتھ میں لے لیا اور پہلی کتابوں کی طرح صرف ایک قوم سے واسطہ نہیں رکھا بلکہ تمام قوموں کی اصلاح چاہی اور انسانی تربیت کے تمام مراتب بیان فرمائے وحشیوں کو انسانیت کے آداب سکھائے پھر انسانی صورت بنانے کے بعد اخلاق فاضلہ کا سبق دیا۔ یہ قرآن نے ہی دنیا پر احسان کیا کہ طبعی

حالتوں اور اخلاق فاضلہ میں فرق کر کے دکھلایا اور جب طبعی حالتوں سے نکال کر اخلاق فاضلہ کے محل عالی تک پہنچایا تو فقط اسی پر کفایت نہ کی بلکہ اور مرحلہ جو باقی تھا یعنی روحانی حالتوں کا مقام اس تک پہنچنے کے لئے پاک معرفت کے دروازے کھولدیئے اور نہ صرف کھولدیئے بلکہ لاکھوں انسانوں کو اس تک پہنچا بھی دیا۔ اور اسطرح پر تینوں قسم کی تعلیم جس کا میں پہلے ذکر کرچکا ہوں کمال خوبی سے بیان فرمائی۔ پس چونکہ وہ تمام تعلیموں کا جنپر دینی تربیت کی ضرورتوں کا مدار ہے کامل طور پر جامع ہے اس لئے یہ دعویٰ اس نے کیا کہ میں نے ہی دائرہ دینی تعلیم کو کمال تک پہنچایا جیسا کہ وہ فرماتا ہے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا یعنی آج میں نے دین تمہارا کامل کیا اور اپنی نعمت کو تم پر پورا کر دیا اور میں تمہارا دین اسلام ٹھہرا کر خوش ہوا یعنی دین کا انتہائی مرتبہ وہ امر ہے جو اسلام کے مفہوم میں پایا جاتا ہے یعنی یہ کہ محض خدا کے لئے ہو جانا اور اپنی نجات اپنے وجود کی قربانی سے چاہنا نہ اور طریق سے اور اس نیت اور اس ارادہ کو عملی طور پر دکھلا دینا یہ نقطہ وہ ہے جسپر تمام کمالات ختم ہوتے ہیں پس جس خدا کو حکیموں نے شناخت نہ کیا۔ قرآن نے اس سچے خدا کا پتہ بتایا قرآن نے خدا کی معرفت عطا کرنیکے لئے دو طریق رکھے ہیں۔ اوّل وہ طریق جس کی رو سے انسانی عقل عقلی دلائل پیدا کرنے میں بہت قوی اور روشن ہو جاتی ہے اور انسان غلطی کرنے سے بچ جاتا ہے۔ دوسرا روحانی طریق جسکو ہم تیسرے سوال کے جواب میں عنقریب انشاء اللہ تعالیٰ بیان کرینگے۔ اب دیکھو کہ عقلی طور پر قرآن شریف نے خدا کی ہستی پر کیا کیا عمدہ اور بے مثل دلائل دیئے ہیں جیسا کہ ایک جگہ فرماتا ہے رَبُّنَا الَّذِیْ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی یعنی خدا وہ خدا ہے کہ جس نے ہر ایک شئے کے مناسب حال اسکو پیدائش بخشی پھر اس شئے کو اپنے کمالات مطلوبہ حاصل کرنے کے لیئے راہ دکھلا دی اب اگر اس آیت کے

مفہوم پر نظر رکھکر انسان سے لیکر تمام بحری اور بری جانوروں اور پرندوں کی بناوٹ تک دیکھا جائے تو خدا کی قدرت یاد آتی ہے کہ ہر ایک چیز کی بناوٹ اس کے مناسب حال معلوم ہوتی ہے پڑھنے والے خود سوچ لیں کیونکہ یہ مضمون بہت وسیع ہے ؛

دوسری دلیل خدائے تعالیٰ کی ہستی پر قرآن شریف نے خدائے تعالیٰ کا علۃ العلل ہونا قرار دی ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے وَ اَنَّ اِلٰی رَبِّکَ الْمُنْتَھٰے یعنی تمام سلسلہ علل و معلولات کا تیرے رب پر ختم ہو جاتا ہے تفصیل اس دلیل کی یہ ہے کہ نظر تعمق سے معلوم ہوگا کہ یہ تمام موجودات علل و معلول کے سلسلہ سے مربوط ہے اسی وجہ سے دنیا میں طرح طرح کے علوم پیدا ہوگئے ہیں کیونکہ کوئی حصہ مخلوقات کا نظام سے باہر نہیں بعض بعض کے لیئے بطور اصول اور بعض بطور فروع کے ہیں اور یہ تو ظاہر ہے کہ علّت یا تو خود اپنی ذات سے قائم ہوگی یا اس کا وجود کسی دوسری علّت کے وجود پر منحصر ہوگا اور پھر یہ دوسری علّت کسی اور علّت پر و علیٰ ہذا القیاس اور یہ تو جائز نہیں کہ اس محدود دنیا میں علل و معلول کا سلسلہ کہیں جاکر ختم نہ ہو اور غیر متناہی ہو تو بالضرورت ماننا پڑا کہ یہ سلسلہ ضرور کسی اخیر علّت پر جاکر ختم ہو جاتا ہے پس جس پر اس تمام سلسلہ کی انتہا ہے وہی خدا ہے آنکھ کھولکر دیکھ لو کہ آیت وَ اَنَّ اِلٰی رَبِّکَ الْمُنْتَھٰے اپنے مختصر لفظوں میں کس طرح اس دلیل مذکورہ بالا کو بیان فرما رہی ہے جس کے یہ معنے ہیں کہ انتہا تمام سلسلہ کی تیرے رب تک ہے ؛

پھر ایک اور دلیل اپنی ہستی پر یہ دی جیسا کہ فرماتا ہے لَا الشَّمْسُ یَنْبَغِیْ لَھَآ اَنْ تُدْرِکَ الْقَمَرَ وَ لَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّھَارِ وَ کُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ یعنی آفتاب چاند کو نہیں پکڑ سکتا اور نہ رات جو مظہر ماہتاب ہے دن پر جو مظہر آفتاب ہے کچھ تسلط کر سکتی ہے یعنی کوئی ان میں سے اپنی حدود مقررہ سے باہر نہیں جاتا اگر انکا در پردہ کوئی مدبر نہ ہو تو یہ تمام سلسلہ درہم برہم ہو جائے یہ دلیل ہیئت پر غور

کرنے والوں کے لیئے نہایت فائدہ بخش ہے کیونکہ اجرام فلکی کے اتنے بڑے عظیم الشان اور بیشمار گولے ہیں جن کے تھوڑے سے بگاڑ سے تمام دنیا تباہ ہو سکتی ہے یہ کیسی قدرت حق ہے کہ وہ آپسمیں نہ ٹکراتے ہیں اور نہ بال بھر رفتار بدلتے اور نہ اتنی مدت تک کام دینے سے کچھ گھسے اور نہ انکی کلوں پرزوں میں کچھ فرق آیا اگر سر پر کوئی محافظ نہیں تو کیونکر اتنا بڑا کارخانہ بیشمار برسوں سے خود بخود چل رہا ہے انہیں حکمتوں کی طرف اشارہ کرکے خدائے تعالیٰ دوسرے مقام میں فرماتا ہے أَفِي اللَّهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنی کیا خدا کے وجود میں شک ہو سکتا ہے جس نے ایسے آسمان اور ایسی زمین بنائی *

پھر ایک دلیل اپنی ہستی پر دیتا ہے اور وہ یہ ہے كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ یعنی ہر ایک چیز معرض زوال میں ہے اور جو باقی رہنے والا ہے وہ خدا ہے جو جلال والا اور بزرگی والا ہے - اب دیکھو کہ اگر ہم فرض کریں کہ ایسا ہو کہ زمین ذرہ ذرہ ہو جائے اور اجرام فلکی بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اور انپر معدوم کرنیوالی ایک ایسی ہوا چلے جو تمام نشان ان چیزوں کے مٹا دے مگر پھر بھی عقل اس بات کو مانتی اور قبول کرتی ہے بلکہ صحیح کانشنس اسکو ضروری سمجھتا ہے کہ اس تمام نیستی کے بعد بھی ایک چیز باقی رہ جائے جسپر فنا طاری نہ ہو اور تبدل اور تغیر کو قبول نہ کرے اور اپنی پہلی حالت پر باقی رہے پس وہ وہی خدا ہے جو تمام فانی صورتوں کو ظہور میں لایا اور خود فنا کی دست برد سے محفوظ رہا *

پھر ایک اور دلیل اپنی ہستی پر قرآن شریف میں پیش کرتا ہے أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى یعنی میں نے روحوں کو کہا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں اس آیت میں خدائے تعالیٰ قصہ کے رنگ میں روحوں کی اس خاصیت کو

بیان فرماتا ہے جو اُنکی فطرت میں اُس نے رکھی ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ کوئی روح فطرۃ کی رو سے خدائے تعالیٰ کا انکار نہیں کر سکتی صرف منکروں کو اپنے خیال میں دلیل نہ ملنے کی وجہ سے انکار ہے مگر باوجود اس انکار کے وہ اس بات کو مانتے ہیں کہ ہر ایک حادث کے واسطے ضرور ایک محدث ہے دنیا میں ایسا کوئی نادان نہیں کہ اگر مثلاً بدن میں کوئی بیماری ظاہر ہو تو وہ اس بات پر اصرار کرے کہ درپردہ اس بیماری کے ظہور کی کوئی علّت نہیں اگر یہ سلسلہ دنیا کا علل اور معلول سے مربوط نہ ہوتا تو قبل از وقت یہ بتا دینا کہ فلاں تاریخ طوفان آئے گا یا آندھی آئیگی یا خسوف ہوگا یا کسوف ہوگا یا فلاں وقت بیمار مر جائیگا یا فلاں وقت تک ایک بیماری کے ساتھ فلاں بیماری لاحق ہو جائیگی یہ تمام غیر ممکن ہو جائیں پس ایسا محقق اگرچہ خدا کے وجود کا اقرار نہیں کرتا مگر ایک طور سے تو اُس نے اقرار کر ہی دیا کہ وہ بھی ہماری طرح معلولات کے لیئے علل کی تلاش میں ہے یہ بھی ایک قسم کا اقرار ہے اگرچہ کمال اقرار نہیں ماسوا اس کے اگر کسی ترکیب سے ایک منکر وجود باری کو ایسے طور سے بیہوش کیا جائے کہ وہ اس سفلی زندگی کے خیالات سے بالکل الگ ہو کر اور تمام ارادوں سے معطل رہ کر اعلیٰ ہستی کے قبضہ میں ہو جائے تو وہ اس صورت میں خدا کے وجود کا اقرار کریگا انکار نہیں کرے گا جیسا کہ اسپر بڑے بڑے مجربین کا تجربہ شاہد ہے سو ایسی حالت کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ انکار وجود باری صرف سفلی زندگی تک ہے ورنہ اصل فطرت میں اقرار بھرا ہوا ہے ؏

یہ دلائل وجود باری پر ہیں جو ہم نے بطور نمونہ کے لکھ دیئے بعد اس کے یہ بھی جاننا چاہیئے کہ جس خدا کی طرف ہمیں قرآن شریف نے بلایا ہے اسکی اس نے یہ صفات لکھی ہیں۔ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَالِمُ الْغَيْبِ

وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۝ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۝ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۝ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ

یعنی وہ خدا جو واحد لاشریک ہے جس کے سوا کوئی بھی پرستش اور فرمانبرداری کے لائق نہیں یہ اس لیئے فرمایا کہ اگر وہ لاشریک نہ ہو تو شائد اُسکی طاقت پر دشمن کی طاقت غالب آجائے اس صورت میں خدائی معرض خطرہ میں رہیگی اور یہ جو فرمایا کہ اُس کے سوا کوئی پرستش کے لائق نہیں اس سے یہ مطلب ہے کہ وہ ایسا کامل خدا ہے جسکی صفات اور خوبیاں اور کمالات ایسے اعلیٰ اور بلند ہیں کہ اگر موجودات میں سے بوجہ صفات کاملہ کے ایک خدا انتخاب کرنا چاہیں یا دل میں عمدہ سے عمدہ اور اعلیٰ سے اعلیٰ خدا کی صفات فرض کریں تو سب سے اعلیٰ جس سے بڑھ کر کوئی اعلیٰ نہیں ہوسکتا وہی خدا ہے جسکی پرستش میں ادنیٰ کو شریک کرنا ظلم ہے پھر فرمایا کہ عالم الغیب ہے یعنی اپنی ذات کو آپ ہی جانتا ہے اُس کی ذات پر کوئی احاطہ نہیں کرسکتا۔ ہم آفتاب اور ماہتاب اور ہر ایک مخلوق کا سراپا دیکھ سکتے ہیں مگر خدا کا سراپا دیکھنے سے قاصر ہیں پھر فرمایا کہ وہ عالم الشہادۃ ہے یعنی کوئی چیز اُسکی نظر سے پردہ میں نہیں ہے یہ جائز نہیں کہ وہ خدا کہلا کر پھر علم اشیاء سے غافل ہو وہ اس عالم کے ذرہ ذرہ پر اپنی نظر رکھتا ہے لیکن انسان نہیں رکھ سکتا وہ جانتا ہے کہ کب اس نظام کو توڑ دیگا اور قیامت برپا کردے گا اور اسکے سوا کوئی نہیں جانتا

کہ جنگلی آدمیوں میں سے کسی آدمی کو انسانیت کے لوازم سکھلانا ہو تو پہلے ادنیٰ ادنیٰ اخلاق انسانیت اور طریق ادب کی انکو تعلیم دیجائیگی۔ دوسرا طریق اصلاح کا یہ ہے کہ جب کوئی ظاہری آداب انسانیت کے حاصل کر لیوے تو اس کو بڑے بڑے اخلاق انسانیت کے سکھلائے جائیں اور انسانی قویٰ میں جو کچھ بھرا پڑا ہے ان سب کو محل اور موقعہ پر استعمال کرنے کی تعلیم دیجائے تیسرا طریق اصلاح کا یہ ہے کہ جو لوگ اخلاق فاضلہ سے متصف ہو گئے ہیں ایسے خشک زاہدوں کو شربت محبت اور وصل کا مزا چکھایا جائے یہ تین اصلاحیں ہیں جو قرآن شریف نے بیان فرمائی ہیں ؛

اور ہمارے سیّد و مولیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسے وقت میں مبعوث ہوئے تھے جبکہ دنیا ہر ایک پہلو سے خراب اور تباہ ہو چکی تھی جیساکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ [۲۱] یعنی جنگل بھی بگڑ گئے اور دریا بھی بگڑ گئے ۔ یہ اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ جو اہل کتاب کہلاتے ہیں وہ بھی بگڑ گئے اور جو دوسرے لوگ ہیں جن کو الہام کا پانی نہیں ملا وہ بھی بگڑ گئے ہیں۔ پس قرآن شریف کا کام دراصل مُردوں کو زندہ کرنا تھا جیساکہ وہ فرماتا ہے اِعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِي الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا [۲۷] یعنی یہ بات جان لو کہ اب اللہ تعالیٰ نئے سرے سے زمین کو بعد اس کے مرنے کے زندہ کرنے لگا ہے۔ اس زمانہ میں عرب کا حال نہایت درجہ کی وحشیانہ حالت تک پہنچا ہوا تھا اور کوئی نظام انسانیت کا باقی نہیں رہا تھا اور تمام معاصی انکی نظر میں فخر کی جگہ تھے ایک ایک شخص صدہا بیویاں کر لیتا تھا۔ حرام کا کھانا انکے نزدیک ایک شکار تھا ماؤں کے ساتھ نکاح کرنا حلال سمجھتے تھے اسی واسطے اللہ تعالیٰ کو کہنا پڑا۔ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصلاح کامل کیلئے عین ضرورت کے وقت مبعوث ہوئے

اُمَّھٰتُکُمْ پ ۱۵ یعنی آج مائیں تمھاری تم پر حرام ہوگئیں۔ ایسا ہی وہ مردار کھاتے تھے۔ آدم خور بھی تھے۔ دنیا کا کوئی بھی گناہ نہیں جو نہیں کرتے تھے۔ اکثر معاد کے منکر تھے۔ بہت سے انمیں سے خدا کے وجود کے بھی قائل نہ تھے لڑکیوں کو اپنے ہاتھ سے قتل کرتے تھے یتیموں کو ہلاک کرکے انکا مال کھاتے تھے۔ بظاہر تو انسان تھے۔ مگر عقلیں مسلوب تھیں۔ نہ حیا تھی نہ شرم تھی نہ غیرت تھی۔ شراب کو پانی کی طرح پیتے تھے جسکا زناکاری میں اول نمبر ہوتا تھا وہی قوم کا رئیس کہلاتا تھا۔ بے علمی اس قدر تھی کہ اردگرد کی تمام قوموں نے انکا نام امی رکھ دیا تھا ایسے وقت میں اور ایسی قوموں کی اصلاح کے لیئے ہمارے سید و مولیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم شہر مکہ میں ظہور فرما ہوئے۔ پس وہ تین قسم کی اصلاحیں جن کا ہم ابھی ذکر کرچکے ہیں انکا درحقیقت یہی زمانہ تھا۔ پس اسی وجہ سے قرآن شریف دنیا کی تمام ہدایتوں کی نسبت اکمل اور اتم ہونیکا دعویٰ کرتا ہے کیونکہ دنیا کی اور کتابوں کو ان تین قسم کی اصلاحوں کا موقع نہیں ملا اور قرآن شریف کو ملا اور قرآن شریف کا یہ مقصد تھا کہ حیوانوں سے انسان بناوے اور انسان سے با اخلاق انسان بناوے اور با اخلاق انسان سے باخدا انسان بناوے اسی واسطے ان تین امور پر قرآن شریف مشتمل ہے ؀

قرآن شریف کا اصل مقصد اصلاحات ثلثہ ہیں

اور قبل اس کے جو ہم اصلاحات ثلثہ کا مفصل بیان کریں یہ ذکر کرنا بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ قرآن شریف میں کوئی ایسی تعلیم نہیں جو زبردستی ماننی پڑے بلکہ تمام قرآن کا مقصد صرف اصلاحات ثلثہ ہیں اور اس کی تمام تعلیموں کا لب لباب یہی تین اصلاحیں ہیں اور باقی تمام احکام اصلاحوں کے لیئے بطور وسائل کے ہیں اور جس طرح بعض وقت ڈاکٹر کو بھی صحت کے پیدا کرنے کے لیئے

کبھی چیرنے کبھی مرہم لگانے کی ضرورت پڑتی ہے ایسا ہی قرآنی تعلیم نے بھی انسانی ہمدردی کے لیئے ان لوازم کو اپنے محل پر استعمال کیا ہے اور اس کے تمام معارف یعنی گیان کی باتیں اور وصایا اور وسائل کا اصل مطلب یہی ہے کہ انسانوں کو انکی طبعی حالتوں سے جو وحشیانہ رنگ اپنے اندر رکھتی ہیں اخلاقی حالتوں تک پہنچاوے اور پھر اخلاقی حالتوں سے روحانیت کے ناپیدا کنار دریا تک پہنچاوے۔

طبعی حالتیں تعدیل سے اخلاق بن جاتی ہیں

اور پہلے ہم بیان کر چکے ہیں کہ طبعی حالات اخلاقی حالات سے کچھ الگ چیز نہیں بلکہ وہی حالات ہیں جو تعدیل اور موقع اور محل پر استعمال کرنے سے اور عقل کی تجویز اور مشورہ سے کام میں لانے سے اخلاقی حالات کا رنگ پکڑ لیتے ہیں اور قبل اس کے کہ وہ عقل اور معرفت کی صلاح اور مشورہ سے صادر ہوں گو وہ کیسے ہی اخلاق سے مشابہ ہوں درحقیقت اخلاق نہیں ہوتے بلکہ طبیعت کی ایک بے اختیار رفتار ہوتی ہے جیسا کہ اگر ایک کتے یا ایک بکری سے اپنے مالک کے ساتھ محبت اور انکسار ظاہر ہو تو اس کتے کو خلیق نہیں کہیں گے اور نہ اس بکری کا نام مہذب الاخلاق رکھیں گے اسی طرح ہم ایک بھیڑیئے یا شیر کو انکی درندگی کی وجہ سے بدخلق نہیں کہیں گے بلکہ جیسا کہ ذکر کیا گیا اخلاقی حالت محل اور سوچ اور وقت شناسی کے بعد شروع ہوتی ہے اور ایک ایسا انسان جو عقل و تدبیر سے کام نہیں لیتا وہ ان شیرخوار بچوں کی طرح ہے جن کے دل اور دماغ پر ہنوز قوت عقلیہ کا سایہ نہیں پڑا۔ یا ان دیوانوں کی طرح جو جوہر عقل اور دانش کو کھو بیٹھتے ہیں ظاہر ہے کہ جو شخص بچہ شیرخوار اور دیوانہ ہو وہ ایسی حرکات بعض اوقات ظاہر کرتا ہے کہ جو اخلاق کے ساتھ مشابہ ہوتی ہیں۔ مگر کوئی عقلمند انکا نام اخلاق نہیں رکھ سکتا کیونکہ وہ حرکتیں تمیز اور موقع بینی کے چشمے سے نہیں نکلتیں

بلکہ وہ طبعی طور پر تحریکوں کے پیش آنیکے وقت صادر ہوتی جاتی ہیں جیسا کہ انسان کا بچہ پیدا ہوتے ہی ماں کی چھاتیوں کی طرف رخ کرتا ہے اور ایک مرغ کا بچہ پیدا ہوتے ہی دانہ چگنے کے لیئے دوڑتا ہے جوک کا بچہ جوک کی عادتیں اپنے اندر رکھتا ہے اور سانپ کا بچہ سانپ کی عادتیں ظاہر کرتا ہے اور شیر کا بچہ شیر کی عادتیں دکھلاتا ہے۔ بالخصوص انسان کے بچہ کو غور سے دیکھنا چاہیئے کہ وہ کیسے پیدا ہوتے ہی انسانی عادتیں دکھلانا شروع کر دیتا ہے اور پھر جب برس ڈیڑھ برس کا ہوا تو وہ عادات طبعیہ بہت نمایاں ہو جاتی ہیں۔ مثلاً پہلے جس طور سے روتا تھا اب رونا بہ نسبت پہلے کے کسی قدر بلند ہو جاتا ہے ایسا ہی ہنسنا قہقہ کی حد تک پہنچ جاتا ہے اور آنکھوں میں بھی عمداً دیکھنے کے آثار پیدا ہو جاتے ہیں اور اس عمر میں یہ ایک اور امر طبعی پیدا ہو جاتا ہے کہ اپنی رضامندی یا نارضامندی حرکات سے ظاہر کرتا ہے اور کسی کو کچھ دینا چاہتا ہے مگر یہ تمام حرکات در اصل طبعی ہوتی ہیں۔ پس ایسے بچہ کی مانند ایک وحشی آدمی بھی ہے جس کو انسانی تمیز سے بہت ہی کم حصہ ملا ہے وہ بھی اپنے ہر ایک قول اور فعل اور حرکت اور سکون میں طبعی حرکات ہی دکھلاتا ہے اور اپنی طبیعت کے جذبات کا تابع رہتا ہے۔ کوئی بات اس کے اندرونی قویٰ کے تدبر اور تفکر سے نہیں نکلتی۔ بلکہ جو کچھ طبعی طور پر اس کے اندر پیدا ہوا ہے وہ خارجی تحریکوں کے مناسب حال نکلتا چلا جاتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ اس کے طبعی جذبات جو اسکے اندر سے کسی تحریک سے باہر آتے ہیں وہ سب کے سب بُرے نہ ہوں بلکہ بعض انکے نیک اخلاق سے مشابہ ہوں۔ لیکن عاقلانہ تدبر اور موشگافی کو ان میں دخل نہیں ہوتا اور اگر کسیقدر ہو بھی تو وہ بوجہ غلبہ جذبات طبعی قابل اعتبار نہیں ہوتا بلکہ جس طرف کثرت ہے اسی طرف کو

حقیقی اخلاق

معتبر سمجھا جائیگا۔

غرض ایسے شخص کی طرف حقیقی اخلاق منسوب نہیں کر سکتے جس پر جذبات طبعیہ حیوانوں اور بچوں اور دیوانوں کی طرح غالب ہیں اور جو اپنی زندگی کو قریب قریب وحشیوں کے بسر کرتا ہے بلکہ حقیقی طور پر نیک یا بد اخلاق کا زمانہ اسوقت سے شروع ہوتا ہے کہ جب انسان کی عقل خداداد پختہ ہو کر اسکے ذریعہ سے نیکی اور بدی یا دو بدیوں یا دو نیکیوں کے درجہ میں فرق کر سکے پھر اچھے راہ کے ترک کرنیسے اپنے دل میں ایک حسرت پاوے اور بُرے کام کے ارتکاب سے اپنے تئیں متندم اور پشیمان دیکھے۔ یہ انسان کی زندگی کا دوسرا زمانہ ہے جس کو خدا کے پاک کلام قرآن شریف میں نفس لوّامہ کے نام سے تعبیر کیا ہے مگر یاد رہے کہ ایک وحشی کو نفس لوّامہ کی حالت تک پہنچانے کے لیئے صرف سرسری نصائح کافی نہیں ہوتیں بلکہ ضروری ہوتا ہے کہ اسکو خدا شناسی کا اسقدر حصّہ ملے جس سے وہ اپنی پیدائش بیہودہ اور لغو خیال نہ کرے تا معرفت آلہی سے سچے اخلاق اس میں پیدا ہوں اسی وجہ سے خدائے تعالیٰ نے ساتھ ساتھ سچے خدا کی معرفت کے لیئے توجہ دلائی ہے اور یقین دلایا ہے کہ ہر ایک عمل اور خُلق ایک نتیجہ رکھتا ہے جو اسکی زندگی میں روحانی راحت یا روحانی عذاب کا موجب ہوتا ہے اور دوسری زندگی میں کُھلے کُھلے طور پر اپنا اثر دکھائیگا۔ غرض نفس لوّامہ کے درجہ پر انسان کو عقل اور معرفت اور پاک کانشنس سے اسقدر حصّہ حاصل ہوتا ہے کہ وہ بُرے کام پر اپنے تئیں ملامت کرتا ہے اور نیک کام کا خواہشمند اور حریص رہتا ہے۔ یہ وہی درجہ ہے کہ جس میں انسان اخلاق فاضلہ حاصل کرتا ہے۔

اسجگہ بہتر ہوگا کہ میں خُلق کے لفظ کی بھی کسیقدر تعریف کردوں۔ سو

خُلق اور خَلق

جاننا چاہیئے کہ خَلق خا کی فتح سے ظاہری پیدائش کا نام ہے اور خُلق خا کے ضمہ سے باطنی پیدائش کا نام ہے اور چونکہ باطنی پیدائش اخلاق سے ہی کمال کو پہنچتی ہے نہ صرف طبعی جذبات سے اس لیئے اخلاق پر ہی یہ لفظ بولا گیا ہے طبعی جذبات پر نہیں بولا گیا۔ اور پھر یہ بات بھی بیان کردینے کے لائق ہے کہ جیسا کہ عوام الناس خیال کرتے ہیں کہ خُلق صرف حلیمی اور نرمی اور انکسار ہی کا نام ہے یہ انکی غلطی ہے بلکہ جو کچھ بمقابلہ ظاہری اعضا کے باطن میں انسانی کمالات کی کیفیتیں رکھی گئی ہیں ان سب کیفیتوں کا نام خُلق ہے مثلاً انسان آنکھ سے روتا ہے اور اس کے مقابل پر دل میں ایک قوت رقت ہے وہ جب بذریعہ عقل خداداد کے اپنے محل پر مستعمل ہو تو وہ ایک خُلق ہے۔ ایسا ہی انسان ہاتھوں سے دشمن کا مقابلہ کرتا ہے اور اس حرکت کے مقابل پر دل میں ایک قوت ہے جس کو شجاعت کہتے ہیں۔ جب انسان محل پر اور موقع کے لحاظ سے اس قوت کو استعمال میں لاتا ہے تو اسکا نام بھی خُلق ہے اور ایسا ہی انسان کبھی ہاتھوں کے ذریعہ سے مظلوموں کو ظالموں سے بچانا چاہتا ہے یا ناداروں اور بھوکوں کو کچھ دینا چاہتا ہے یا کسی اور طرح سے بنی نوع کی خدمت کرنا چاہتا ہے اور اس حرکت کے مقابل پر دل میں ایک قوت ہے جس کو رحم بولتے ہیں اور کبھی انسان اپنے ہاتھوں کے ذریعہ سے ظالم کو سزا دیتا ہے اور اس حرکت کے مقابل پر دل میں ایک قوت ہے جسکو عفو اور صبر کہتے ہیں اور کبھی انسان بنی نوع کو فائدہ پہنچانے کے لیئے اپنے ہاتھوں سے کام لیتا ہے یا پیروں سے یا دل اور دماغ سے اور انکی بہبودی کے لیئے اپنا سرمایہ خرچ کرتا ہے تو اس حرکت کے مقابل پر دل میں ایک قوت ہے جس کو سخاوت کہتے ہیں۔ پس جب

و انتقام کہتے ہیں۔ اور کبھی انسان بجائے مقابل پر حملہ کرنا نہیں چاہتا اور ظالم

انسان ان تمام قوتوں کو موقع اور محل کے لحاظ سے استعمال کرتا ہے تو اس وقت اُنکا نام خُلق رکھا جاتا ہے۔ اللہ جلشانہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے فرماتا ہے اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ﴿پ۲۹﴾ یعنی تو ایک بزرگ خلق پر قایم ہے سو اسی تشریح کے مطابق اس کے معنے ہیں یعنی یہ کہ تمام قسمیں اخلاق کی سخاوت۔ شجاعت۔ عدل۔ رحم۔ احسان۔ صدق حوصلہ وغیرہ تجھ میں جمع ہیں۔ غرض جسقدر انسان کے دل میں قوتیں پائی جاتی ہیں جیسا کہ ادب۔ حیا۔ دیانت۔ مروّت۔ غیرت۔ استقامت۔ عفّت۔ زہادت۔ اعتدال مُواسات یعنی ہمدردی۔ ایسا ہی شجاعت۔ سخاوت۔ عفو۔ صبر۔ احسان صدق۔ وفا وغیرہ جب یہ تمام طبعی حالتیں عقل اور تدبر کے مشورہ سے اپنے اپنے محل اور موقع پر ظاہر کی جائیں گی تو سب کا نام اخلاق ہوگا اور یہ تمام اخلاق درحقیقت انسان کی طبعی حالتیں اور طبعی جذبات ہیں اور صرف اس وقت اخلاق کے نام سے موسوم ہوتے ہیں کہ جب محل اور موقع کے لحاظ سے بالارادہ انکو استعمال کیا جائے چونکہ انسان کے طبعی خواص میں سے ایک یہ بھی خاصہ ہے کہ وہ ترقی پذیر جاندار ہے۔ اس لیئے وہ سچے مذہب کی پیروی اور نیک صحبتوں اور نیک تعلیموں سے ایسی طبعی جذبات کو اخلاق کے رنگ میں لے آتا ہے اور یہ امر کسی اور جاندار کے لیئے نصیب نہیں ؛

اصلاح اوّل یعنی طبعی حالتیں

اب ہم منجملہ قرآن شریف کی اصلاحات ثلٰثہ کے پہلی اصلاح کو جو ادنیٰ درجہ کی طبعی حالتوں کے متعلق ہے ذکر کرتے ہیں اور یہ اصلاح اخلاق کے شعبوں میں سے وہ شعبہ ہے جو ادب کے نام سے موسوم ہے یعنی وہ ادب جسکی

پابندی وحشیوں کو انکی طبعی حالتوں کھانے پینے اور شادی کرنے وغیرہ تمدنی امور میں مرکزِ اعتدال پر لاتی ہے اور اس زندگی سے نجات بخشتی ہے جو وحشیانہ اور چوپاؤں یا درندوں کی طرح ہو جیسا کہ ان تمام آداب کے بارے میں اللہ جل شانہٗ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۔ لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ۔ وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۔ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۔ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ ... غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ۔ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ۔ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ۔ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ۔ اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۔ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ

الْمَیْتَۃُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِیْرِ وَمَآ اُھِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ بِہٖ وَالْمُنْخَنِقَۃُ
وَالْمَوْقُوْذَۃُ وَالْمُتَرَدِّیَۃُ وَالنَّطِیْحَۃُ وَمَآ اَکَلَ السَّبُعُ
وَمَا ذُبِحَ عَلَی النُّصُبِ یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَآ اُحِلَّ لَھُمْ قُلْ اُحِلَّ
لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ وَاِذَا قِیْلَ لَکُمْ تَفَسَّحُوْا فِی الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا
وَاِذَا قِیْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا وَکُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا وَ
قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ وَالرُّجْزَ فَاھْجُرْ وَاغْضُضْ
مِنْ صَوْتِکَ وَاقْصِدْ فِیْ مَشْیِکَ تَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ
التَّقْوٰی وَاِنْ کُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّھَّرُوْا وَفِیْٓ اَمْوَالِھِمْ حَقٌّ
لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا
مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا
تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَۃً اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ ذٰلِکَ اَدْنٰٓی اَلَّا
تَعُوْلُوْا وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِھِنَّ نِحْلَۃً ترجمہ۔ یعنی تم پر
تمھاری مائیں حرام کی گئیں اور ایسا ہی تمھاری بیٹیاں اور تمھاری بہنیں
اور تمھاری پھوپھیاں اور تمھاری خالائیں اور تمھاری بھتیجیاں اور تمھاری
بھانجیاں اور تمھاری وہ مائیں جنہوں نے تمھیں دودھ پلایا اور تمھاری رضاعی
بہنیں اور تمھاری بیویوں کی مائیں اور تمھاری بیویوں کے پہلے خاوند سے
لڑکیاں جن سے تم ہم صحبت ہو چکے ہو اور اگر تم ان سے ہم صحبت نہیں ہوئے
تو کوئی گناہ نہیں اور تمھارے حقیقی بیٹوں کی عورتیں اور ایسے ہی دو بہنیں ایک
وقت میں یہ سب کام جو پہلے ہوتے تھے۔ آج تم پر حرام کیئے گئے۔ یہ بھی تمھارے
لیئے جائز نہ ہوگا کہ جبراً عورتوں کے وارث بنجاؤ۔ یہ بھی جائز نہیں کہ تم ان
عورتوں کو نکاح میں لاؤ جو تمھارے باپوں کی بیویاں تھیں۔ جو پہلے ہو چکا سو

ہو چکا پاکدامن عورتیں تم میں سے یا پہلے اہل کتاب میں سے تمھارے لیئے حلال
ہیں کہ انسے شادی کرو لیکن جب مہر قرار پاکر نکاح ہو جائے بدکاری جائز
نہیں اور نہ چھپا ہوا یارانہ - عرب کے جاہلوں میں جس شخص کے اولاد نہ
ہوتی تھی بعض میں یہ رسم تھی کہ انکی بیوی اولاد کے لیئے دوسرے سے
آشنائی کرتی - قرآن شریف نے اس صورت کو حرام کر دیا - مسافحت اسی
بدرسم کا نام ہے - پھر فرمایا کہ تم خودکشی نہ کرو - اپنی اولاد کو قتل نہ کرو - اور
دوسرے گھروں میں وحشیوں کی طرح خود بخود بے اجازت نہ چلے جاؤ -
اجازت لینا شرط ہے اور جب تم دوسرے کے گھروں میں جاؤ تو داخل
ہوتے السلام علیکم کہو اور اگر ان گھروں میں کوئی نہ ہو تو جبتک کوئی مالک
خانہ تمھیں اجازت نہ دے ان گھروں میں مت جاؤ اور اگر مالک خانہ یہ کہے
کہ واپس چلے جاؤ تو تم واپس چلے جاؤ - اور گھروں میں دیواروں پر سے
کود کر نہ جایا کرو - بلکہ گھروں میں ان گھروں کے دروازہ میں سے جاؤ
اور اگر کوئی تمھیں سلام کہے تو اس سے بہتر اور نیک تر اسکو سلام کہو
اور قماربازی اور بت پرستی اور شگون لینا یہ سب پلید اور شیطانی کام
ہیں انسے بچو - مردار مت کھاؤ - خنزیر کا گوشت مت کھاؤ - بتوں کے چڑھاوے
مت کھاؤ - لاٹھی سے مارا ہوا مت کھاؤ - سینگ لگنے سے مرا ہوا مت
کھاؤ - درندہ کا پھاڑا ہوا مت کھاؤ - بت پر چڑھایا ہوا مت کھاؤ
کیونکہ یہ سب مردار کا حکم رکھتے ہیں اور اگر یہ لوگ پوچھیں کہ پھر کھائیں کیا
تو جواب یہ دے کہ دنیا کی تمام پاک چیزیں کھاؤ صرف مردار اور مردار
کے مشابہ اور پلید چیزیں مت کھاؤ - اگر مجلسوں میں تمھیں کہا جائے کہ
کشادہ ہو کر بیٹھو یعنی دوسروں کو جگہ دو تو جلد جگہ کشادہ کر دو تا دوسرے

بیٹھیں اور اگر کہا جائے کہ تم اُٹھ جاؤ تو پھر بغیر چون وچرا کے اُٹھ جاؤ۔ گوشت دال وغیرہ سب چیزیں جو پاک ہوں بے شک کھاؤ مگر ایک طرف کی کثرت مت کرو اور اسراف اور زیادہ خوری سے اپنے تئیں بچاؤ۔ لغو باتیں مت کیا کرو محل اور موقع کی بات کیا کرو۔ اپنے کپڑے صاف رکھو۔ بدن کو اور گھر کو اور کوچہ کو اور ہر ایک جگہ کو جہاں تمہاری نشست ہو پلیدی اور میل کچیل اور کثافت سے بچاؤ یعنی غسل کرتے رہو۔ اور گھروں کو صاف رکھنے کی عادت پکڑو۔ نہ بہت اونچا بولا کرو نہ بہت نیچا درمیان کو نگاہ رکھو یعنی باستثناء وقت ضرورت کے چلنے میں بھی نہ بہت تیز چلو اور نہ بہت آہستہ درمیان کو نگاہ رکھو۔ جب سفر کرو تو ہر ایک طور پر سفر کا انتظام کر لیا کرو اور کافی زادراہ لے لیا کرو۔ تاگداگری سے بچو۔ جنابت کی حالت میں غسل کر لیا کرو جب روٹی کھاؤ تو سائل کو بھی دو اور کتّے کو بھی ڈال دیا کرو اور دوسرے پرند وغیرہ کو بھی اگر موقع ہو۔ یتیم لڑکیاں جن کی تم پرورش کرو انسے نکاح کرنا مضائقہ نہیں۔ لیکن اگر تم دیکھو کہ چونکہ وہ لاوارث ہیں شائد تمہارا نفس انپر زیادتی کرے تو ماں باپ اور اقارب والی عورتیں کرو جو تمہاری مؤدب رہیں اور انکا تمہیں خوف رہے ایک دو تین چار تک کر سکتے ہو بشرطیکہ اعتدال کرو اور اگر اعتدال نہ ہو تو پھر ایک ہی پر کفایت کرو۔ گو ضرورت پیش آوے چار کی حد لگا دی گئی ہے۔ وہ اس مصلحت سے ہے کہ تاتم پرانی عادت کے تقاضے سے افراط نہ کرو۔ یعنی صدہا تک نوبت نہ پہنچاؤ۔ یا یہ کہ حرامکاری کی طرف جھک نہ جاؤ۔ اور اپنی عورتوں کو مہر دو۔ غرض یہ قرآن شریف کی پہلی اصلاح ہے جس میں انسان کی طبعی حالتوں کو وحشیانہ طریقوں سے کھینچکر انسانیت کے لوازم اور تہذیب

کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اس تعلیم میں ابھی اعلیٰ اخلاق کا کچھ ذکر نہیں صرف انسانیت کے آداب ہیں اور ہم لکھ چکے ہیں کہ اس تعلیم کی یہ ضرورت پیش آئی تھی کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس قوم کی اصلاح کیلئے آئے تھے وہ وحشیانہ حالت میں سب قوموں سے بڑھی ہوئی تھی کسی پہلو میں انسانیت کا طریق انمیں قائم نہیں رہا تھا پس ضرور تھا کہ سب سے پہلے انسانیت کے ظاہری ادب اُن کو سکھلائے جاتے ۔

حرمتِ خنزیر

ایک نکتہ اس جگہ یاد رکھنے کے قابل ہے اور وہ نکتہ یہ ہے کہ خنزیر جو حرام کیا گیا ہے خدا نے ابتدا سے اس کے نام میں ہی حرمت کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ خنزیر کا لفظ خنز اور اَر سے مرکب ہے جس کے یہ معنے ہیں کہ میں اس کو فاسد اور خراب دیکھتا ہوں خنز کے معنے بہت فاسد اَر کے معنے دیکھتا ہوں ۔ پس اس جانور کا نام جو ابتدا سے خدا تعالیٰ کی طرف سے اسکو ملا ہے وہی اس کی پلیدی پر دلالت کرتا ہے اور عجیب اتفاق یہ ہے کہ ہندی میں اس جانور کو سؤر کہتے ہیں یہ لفظ بھی سو اور آر سے مرکب ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ میں اسکو بہت بُرا دیکھتا ہوں اور اس سے تعجب نہیں کرنا چاہیئے کہ سوء کا لفظ عربی کیونکر ہو سکتا ہے ۔ کیونکہ ہم نے اپنی کتاب منن الرحمٰن میں ثابت کیا ہے کہ تمام زبانوں کی ماں عربی زبان ہے اور عربی کے لفظ ہر ایک زبان میں نہ ایک دو بلکہ ہزاروں ملے ہوئے ہیں سو سوء عربی لفظ ہے اس لیئے ہندی میں سوء کا ترجمہ بد ہے ۔ پس اس جانور کو بد بھی کہتے ہیں ۔ اس میں کچھ بھی شک معلوم نہیں ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں جبکہ تمام دنیا کی زبان عربی تھی اس ملک میں یہ نام اس جانور کا عربی میں مشہور تھا جو خنزیر کے نام کے

ہم معنے ہے پھر اب تک یادگار باقی رہ گیا۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ شاستری میں اس کے قریب قریب بھی لفظ متغیر ہو کر اور کچھ بن گیا ہو مگر صحیح لفظ یہی ہے کیونکہ اپنی وجہ تسمیہ ساتھ رکھتا ہے جس پر لفظ خنزیر گواہ ناطق ہے اور یہ معنے جو اس لفظ کے ہیں یعنی بہت فاسد اس کی تشریح کی حاجت نہیں۔ اس بات کا کس کو علم نہیں کہ یہ جانور اول درجہ کا نجاست خور اور نیز بے غیرت اور دیوث ہے۔ اب اسکے حرام ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ قانون قدرت یہی چاہتا ہے کہ ایسے پلید اور بد جانور کے گوشت کا اثر بھی بدن اور روح پر پلید ہی ہو کیونکہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ غذاؤں کا بھی انسان کی روح پر ضرور اثر ہے پس اس میں کیا شک ہے کہ ایسے بد کا اثر بھی بد ہی پڑے گا جیسا کہ یونانی طبیبوں نے اسلام سے پہلے ہی یہ رائے ظاہر کی ہے اس جانور کا گوشت بالخاصیت حیا کی قوت کو کم کرتا ہے اور دیوثی کو بڑھاتا ہے اور مردار کا کھانا بھی اسی لیئے اس شریعت میں منع ہے کہ مردار بھی کھانیوالے کو اپنے رنگ میں لاتا ہے اور نیز ظاہری صحت کے لیئے بھی مضر ہے اور جن جانوروں کا خون اندر ہی رہتا ہے جیسے گلا گھونٹا ہوا۔ یا لاٹھی سے مارا۔ یہ تمام جانور درحقیقت مردار کے حکم میں ہی ہیں۔ کیا مردہ کا خون اندر رہنے سے اپنی حالت پر رہ سکتا ہے؟ نہیں بلکہ وہ بوجہ مرطوب ہونیکے بہت جلد گندہ ہوگا اور اپنی عفونت سے تمام گوشت کو خراب کرے گا۔ اور نیز خون کے کیڑے جو حال کی تحقیقات سے بھی ثابت ہوئے ہیں مر کر ایک زہرناک عفونت بدن میں پھیلا دیں گے؛

انسان کی اخلاقی حالتیں

دوسرا حصہ قرآنی اصلاح کا یہ ہے کہ طبعی حالتوں کو شرائط مناسب کے ساتھ مشروط کر کے اخلاق فاضلہ تک پہنچایا جائے سو واضح ہو کہ یہ حصہ بہت بڑا ہے

اگر ہم اس حصہ کو تفصیل کے ساتھ بیان کریں یعنی تمام وہ اخلاق اسجگہ لکھنا چاہیں جو قرآن شریف نے بیان کیئے تو یہ مضمون استقدر لمبا ہو جائیگا کہ وقت اس کے دسویں حصہ تک کو بھی کفایت نہیں کریگا اس لیئے چند اخلاق فاضلہ نمونے کے طور پر بیان کیئے جاتے ہیں ؛

اب جاننا چاہیئے کہ اخلاق دو قسم کے ہیں اوّل وہ اخلاق جن کے ذریعہ سے انسان ترک شر پر قادر ہوتا ہے۔ دوسرے وہ اخلاق جن کے ذریعہ سے انسان ایصال خیر پر قادر ہوتا ہے۔ اور ترک شر کے مفہوم میں وہ اخلاق داخل ہیں جنکے ذریعہ انسان کوشش کرتا ہے کہ تا اپنی زبان یا اپنے ہاتھ یا اپنی آنکھ یا اپنے کسی عضو سے دوسرے کے مال یا عزت یا جان کو نقصان نہ پہنچادے یا نقصان رسانی اور کسر شان کا ارادہ نہ کرے اور ایصال خیر کے مفہوم میں تمام وہ اخلاق داخل ہیں جنکے ذریعہ انسان کوشش کرتا ہے کہ اپنی زبان یا اپنے ہاتھ یا اپنے علم یا کسی اور ذریعہ سے دوسرے کے مال یا عزت کو فائدہ پہنچا سکے یا اس کے جلال یا عزت ظاہر کرنے کا ارادہ کر سکے یا اگر کسی نے اسپر کوئی ظلم کیا تھا تو جس سزا کا وہ ظالم مستحق تھا اس سے درگذر کر سکے اور اس طرح اس کو دکھ اور عذاب بدنی اور تاوان مالی سے محفوظ رہنے کا فائدہ پہنچا سکے یا اسکو ایسی سزا دے سکے جو حقیقت میں اسکے لیئے سراسر رحمت ہے ؛

اخلاق متعلق ترک شر

اب واضح ہو کہ وہ اخلاق جو ترک شر کے لیئے صانع حقیقی نے مقرر فرمائے ہیں وہ زبان عربی میں جو تمام انسانی خیالات اور اوضاع اور اخلاق کے اظہار کے لیئے ایک ایک مفرد لفظ اپنے اندر رکھتی ہے چار ناموں سے موسوم ہیں۔ چنانچہ پہلا خلق احصان کے نام سے موسوم ہے اور اس لفظ سے مراد خاص وہ پاکدامنی ہے جو مرد اور عورت کی قوت تناسل سے علاقہ رکھتی ہے اور محصن یا محصنہ اس مرد یا اس عورت کو کہا جائیگا کہ جو حرامکاری یا اس کے مقدمات سے مجتنب رہ کر اپنا پاک

بدکاری سے اپنے تئیں روکے۔ جسکا نتیجہ دونوں کے لیئے اس عالم میں ذلت اور لعنت اور دوسرے جہان میں عذاب آخرت اور متعلقین کے لیئے علاوہ بے آبروئی نقصان شدید ہے۔ مثلاً جو شخص کسی کی بیوی سے ناجائز حرکت کا مرتکب ہو یا مثلاً زنا تو نہیں مگر اس کے مقدمات مرد اور عورت دونوں سے ظہور میں آویں تو کچھ شک نہیں کہ اس غیرتمند مظلوم کی ایسی بیوی کو جو زنا کرانے پر راضی ہوگئی تھی یا زنا بھی واقع ہو چکا تھا طلاق دینی پڑے گی اور بچوں پر بھی اگر اس عورت کے پیٹ سے ہونگے بڑا تفرقہ پڑیگا اور مالک خانہ یہ تمام نقصان اس بدذات کیوجہ سے اٹھائیگا۔

اسجگہ یاد رہے کہ یہ خُلق جس کا نام احصان یا عِفّت ہے یعنی پاکدامنی یہ اسی حالتمیں خُلق کہلائیگا جبکہ ایسا شخص جو بدنظری یا بدکاری کی استعداد اپنے اندر رکھتا ہے یعنی قدرت نے وہ قویٰ اسکو دے رکھے ہیں جن کے ذریعہ سے اس جرم کا ارتکاب ہو سکتا ہے اس فعل شنیع سے اپنے تئیں بچائے۔ اور اگر بباعث بچہ ہونے یا نامرد ہونے یا خوجہ ہونے یا پیر فرتوت ہونے کے یہ قوت اس میں موجود نہ ہو تو اس صورت میں ہم اسکو اس خُلق سے جسکا نام احصان یا عِفّت ہے موصوف نہیں کر سکتے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ عِفّت اور احصان کی اس میں ایک طبعی حالت ہے مگر ہم بار بار لکھ چکے ہیں کہ طبعی حالتیں خُلق کے نام سے موسوم نہیں ہو سکتیں بلکہ اسوقت خُلق کی حد میں داخل کی جائیں گی جبکہ عقل کے زیر سایہ ہو کر اپنے محل پر صادر ہوں یا صادر ہونیکی قابلیت پیدا کر لیں۔ لہٰذا جیسا کہ میں لکھ چکا ہوں بچے اور نامرد اور ایسے لوگ جو کسی تدبیر سے اپنے تئیں نامرد کر لیں اس خُلق کا مصداق نہیں ٹھہر سکتے گو بظاہر عفت اور احصان کے رنگ میں اپنی زندگی بسر کریں بلکہ تمام صورتوں میں انکی عفت اور احصان کا نام طبعی حالت ہوگا نہ اور کچھ۔ اور چونکہ یہ ناپاک حرکت اور اس کے مقدمات جیسے مرد سے صادر ہو سکتے ہیں ویسے ہی عورت سے بھی صادر ہو سکتے ہیں لہٰذا خدا کی

پاک کتاب میں دونوں مرد اور عورت کے لئے یہ تعلیم فرمائی گئی ہے۔ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ
يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ
وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ
وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى
جُيُوْبِهِنَّ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ
وَتُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝
وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَسَآءَ سَبِيْلًا ۝ وَلْيَسْتَعْفِفِ
الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا وَرَهْبَانِيَّةَ نِ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ
فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۝ یعنی ایمانداروں کو جو مرد ہیں کہدے کہ آنکھوں
کو نامحرم عورتوں کے دیکھنے سے بچائے رکھیں اور ایسی عورتوں کو کھلے طور سے
نہ دیکھیں جو شہوت کا محل ہوسکتی ہوں اور ایسے موقع پر خوابیدہ نگاہ کی عادت
پکڑیں اور اپنے ستر کی جگہ کو جس طرح ممکن ہو بچاویں ایسا ہی کانوں کو نامحرموں سے
بچاویں یعنی بیگانہ عورتوں کے گانے بجانے اور خوش الحانی کی آوازیں نہ سنیں
انکے حسن کے قصے نہ سنیں یہ طریق پاک نظر اور پاک دل رہنے کے لیئے عمدہ طریق
ہے۔ ایسا ہی ایماندار عورتوں کو کہدے کہ وہ بھی اپنی آنکھوں کو نامحرم مردوں
کے دیکھنے سے بچائیں یعنی انکی پر شہوات آوازیں نہ سنیں اور اپنے ستر کی
جگہ کو پردہ میں رکھیں۔ اور اپنی زینت کے اعضا کو کسی غیر محرم پر نہ کھولیں اور
اپنی اوڑھنی کو اس طرح سر پر لیں کہ گریبان سے ہوکر سر پر آجائے یعنی گریبان
اور دونوں کان اور سر اور کنپٹیاں سب چادر کے پردہ میں رہیں اور اپنے پیروں
کو زمین پر ناچنے والوں کی طرح نہ ماریں۔ یہ وہ تدبیر ہے کہ جس کی پابندی ٹھوکر سے
بچا سکتی ہے۔ اور دوسرا طریق بچنے کے لیئے یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کی

طرف رجوع کریں اور اس سے دعا کریں تا ٹھوکر سے بچاوے اور لغزشوں سے نجات
دے۔ زنا کے قریب مت جاؤ یعنی ایسی تقریبوں سے دور رہو جن سے یہ خیال بھی
دل میں پیدا ہو سکتا ہو اور ان راہوں کو اختیار نہ کرو جن سے اس گناہ کے
وقوع کا اندیشہ ہو جو زنا کرتا ہے وہ بدی کو انتہا تک پہنچا دیتا ہے۔ زنا کی راہ
بہت بُری راہ ہے یعنی منزل مقصود سے روکتی ہے اور تمہاری آخری منزل
کے لیئے سخت خطرناک ہے اور جس کو نکاح میسر نہ آوے چاہیئے کہ وہ اپنی عفت
کو دوسرے طریقوں سے بچاوے۔ مثلاً روزہ رکھے یا کم کھاوے یا اپنی طاقتوں سے
تن آزار کام لے اور اور لوگوں نے یہ بھی طریق نکالے ہیں کہ وہ ہمیشہ عمداً نکاح سے
دست بردار رہیں یا خوجے بنیں اور کسی طریق سے رہبانیت اختیار کریں مگر ہم نے
انسان پر یہ حکم فرض نہیں کیئے اس لیئے وہ ان بدعتوں کو پورے طور پر نباہ نہ
سکے۔ خدا کا یہ فرمانا کہ ہمارا یہ حکم نہیں کہ لوگ خوجے بنیں۔ یہ اس بات کی طرف
اشارہ ہے کہ اگر خدا کا حکم ہوتا تو سب لوگ اس حکم پر عمل کرنیکے مجاز بنتے تو اس
صورت میں بنی آدم کی قطع نسل ہو کر کبھی کا دنیا کا خاتمہ ہو جاتا اور نیز اگر اس طرح پر
عفت حاصل کرنی ہو کہ عضو مردی کو کاٹ دیں تو یہ درپردہ اس صانع پر اعتراض
ہے جس نے وہ عضو بنایا اور نیز جبکہ ثواب کا تمام مدار اس بات پر ہے کہ ایک
قوت موجود ہو اور پھر انسان خدائے تعالیٰ کا خوف کر کے اس قوت کے خراب
جذبات کا مقابلہ کرتا رہے اور اس کے منافع سے فائدہ اٹھا کر دو طور کا ثواب حاصل
کرے۔ پس ظاہر ہے کہ ایسے عضو کے ضائع کر دینے میں دونوں ثوابوں سے محروم
رہا۔ ثواب تو جذبہ مخالفانہ کے وجود اور پھر اس کے مقابلہ سے ملتا ہے مگر جس
میں بچہ کی طرح وہ قوت ہی نہیں رہی اس کو کیا ثواب ملے گا۔ کیا بچہ کو اپنی عفت کا
ثواب مل سکتا ہے؟

انسان کو پاکدامن رہنے کیلئے پانچ علاج

ان آیات میں خدائے تعالیٰ نے خلق احصان یعنی عفّت کے حاصل کرنیکے لیئے صرف اعلیٰ تعلیم ہی نہیں فرمائی بلکہ انسان کو پاکدامن رہنے کے لیئے پانچ علاج بھی بتلا دیئے ہیں یعنی یہ کہ اپنی آنکھوں کو نامحرم پر نظر ڈالنے سے بچانا۔ کانوں کو نامحرموں کی آواز سُننے سے بچانا۔ نامحرموں کے قصّے نہ سننا۔ اور ایسی تمام تقریبوں سے جنمیں اس بدفعل کا اندیشہ ہو اپنے تئیں بچانا۔ اگر نکاح نہ ہو تو روزہ رکھنا وغیرہ۔

اسجگہ ہم بڑے دعوے کے ساتھ کہتے ہیں کہ یہ اعلیٰ تعلیم ان سب تدبیروں کے ساتھ جو قرآن شریف نے بیان فرمائی ہیں صرف اسلام سے ہی خاص ہے۔ اور اس جگہ ایک نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے اور وہ یہ ہے کہ چونکہ انسان کی وہ طبعی حالت جو شہوات کا منبع ہے جس سے انسان بغیر کسی کامل تغیر کے الگ نہیں ہو سکتا یہی ہے کہ اس کے جذبات شہوت محل اور موقع پاکر جوش مارنے سے رہ نہیں سکتے یا یوں کہو کہ سخت خطرہ میں پڑ جاتے ہیں اس لیئے خدائے تعالیٰ نے ہمیں یہ تعلیم نہیں دی کہ ہم نامحرم عورتوں کو بلاتکلف دیکھ تو لیا کریں اور ان کی تمام زینتوں پر نظر ڈال لیں اور انکے تمام انداز ناچنا وغیرہ مشاہدہ کر لیں لیکن پاک نظر سے دیکھیں اور نہ یہ تعلیم ہمیں دی ہے کہ ہم ان بیگانہ جوان عورتوں کا گانا بجانا سن لیں اور انکے حسن کے قصّے بھی سنا کریں۔ لیکن پاک خیال سے سنیں بلکہ ہمیں تاکید ہے کہ ہم نامحرم عورتوں کو اور انکی زینت کی جگہ کو ہرگز نہ دیکھیں۔ نہ پاک نظر سے اور نہ ناپاک نظر سے اور انکی خوش الحانی کی آوازیں اور انکے حُسن کے قصّے نہ سنیں نہ پاک خیال سے اور نہ ناپاک خیال سے بلکہ ہمیں چاہیئے کہ انکے سننے اور دیکھنے سے نفرت رکھیں جیسا کہ مردار سے تا ٹھوکر نہ کھاویں کیونکہ ضرور ہے کہ بے قیدی کی نظروں سے کسی وقت ٹھوکریں پیش آویں۔ سو چونکہ خدائے تعالیٰ چاہتا ہے کہ ہماری آنکھیں اور دل اور ہمارے خطرات سب پاک رہیں اسلیئے اس نے یہ

اعلیٰ درجہ کی تعلیم فرمائی اس میں کیا شک ہے کہ بے قیدی ٹھوکر کا موجب ہو جاتی ہے اگر ہم ایک بھوکے کتے کے آگے نرم نرم روٹیاں رکھدیں اور پھر امید رکھیں کہ اس کتے کے دل میں خیال تک ان روٹیوں کا نہ آوے تو ہم اپنے اس خیال میں غلطی پر ہیں۔ سو خدائے تعالیٰ نے چاہا کہ نفسانی قویٰ کو پوشیدہ کارروائیوں کا موقع بھی نہ ملے اور ایسی کوئی بھی تقریب پیش نہ آوے جس سے بدخطرات جنبش کر سکیں ؛

اسلامی پردہ کی یہی فلاسفی اور یہی ہدایت شرعی ہے۔ خدا کی کتاب میں پردہ سے یہ مراد نہیں کہ فقط عورتوں کو قیدیوں کی طرح حراست میں رکھا جائے یہ ان نادانوں کا خیال ہے جن کو اسلامی طریقوں کی خبر نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ عورت مرد دونوں کو آزادنظر اندازی اور اپنی زینتوں کے دکھانیسے روکا جائے کیونکہ اس میں دونوں مرد اور عورت کی بھلائی ہے بالآخر یاد رہے کہ خوابیدہ نگاہ سے غیر محل پر نظر ڈالنے سے اپنے تئیں بچا لینا۔ اور دوسری جائز النظر چیزوں کو دیکھنا اس طریق کو عربی میں غضِّ بصر کہتے ہیں اور ہر ایک پرہیز گار جو اپنے دل کو پاک رکھنا چاہتا ہے اسکو نہیں چاہیئے کہ حیوانوں کی طرح جسطرف چاہے بے محابا نظر اٹھا کر دیکھ لیا کرے۔ بلکہ اس کے لیئے اس تمدنی زندگی میں غضِّ بصر کی عادت ڈالنا ضروری ہے اور یہ وہ مبارک عادت ہے جس سے اسکی یہ طبعی حالت ایک بھاری خلق کے رنگ میں آجائیگی اور اس کی تمدنی ضرورت میں بھی فرق نہیں پڑیگا۔ یہی وہ خُلق ہے جس کو احصان اور عفت کہتے ہیں ؛

دوسری قسم ترک شر کے اقسام میں سے وہ خُلق ہے جسکو امانت و دیانت کہتے ہیں یعنی دوسرے کے مال پر شرارت اور بدنیتی سے قبضہ کر کے اسکو ایذا پہنچانے پر راضی نہ ہونا۔ سو واضح ہو کہ دیانت اور امانت انسان کی طبعی حالتوں میں سے ایک

حالت ہے اسی واسطے ایک بچہ شیرخوار بھی جو بوجہ کم سنی اپنی طبعی سادگی پر ہوتا ہے اور نیز بباعث صغرسنی ابھی بُری عادتوں کا عادی نہیں ہوتا۔ اسقدر غیر کی چیز سے نفرت رکھتا ہے کہ غیر عورت کا دودھ بھی مشکل سے پیتا ہے اور اگر بیہوشی کے زمانہ میں کوئی اور دایہ مقرر نہ ہو تو ہوش کے زمانہ میں اسکو دوسرے کا دودھ پلانا نہایت مشکل ہو جاتا ہے اور اپنی جان پر بہت تکلیف اُٹھاتا ہے اور ممکن ہے کہ اس تکلیف سے مرنے کے قریب ہو جائے مگر دوسری عورت کے دودھ سے طبعاً بیزار ہوتا ہے اسقدر نفرت کا کیا بھید ہے؟ بس یہی کہ وہ والدہ کو چھوڑ کر غیر کی چیز کی طرف رجوع کرنے سے طبعاً متنفر ہے۔ اب ہم جب ایک گہری نظر سے بچہ کی اس عادت کو دیکھتے اور اسپر غور کرتے ہیں اور فکر کرتے کرتے اسکی اس عادت کی تہ تک چلے جاتے ہیں تو ہم پر صاف کھلجاتا ہے کہ یہ عادت جو غیر کی چیز سے اسقدر نفرت کرتا کہ اپنے اوپر مصیبت ڈال لیتا ہے یہی جڑھ دیانت اور امانت کی ہے اور دیانت کے خُلق میں کوئی شخص راستباز نہیں ٹھہر سکتا جبتک بچہ کی طرح غیر کے مال کے بارے میں بھی سچی نفرت اور کراہت اسکے دل میں پیدا نہ ہو جائے۔ لیکن بچہ اس عادت کو اپنے محل پر استعمال نہیں کرتا اور اپنی بیوقوفی کے سبب سے بہت کچھ تکلیفیں اُٹھا لیتا ہے لہٰذا اُسکی یہ عادت صرف ایک حالت طبعی ہے جس کو وہ بے اختیار ظاہر کرتا ہے اس لیئے وہ حرکت اُس کے خُلق میں داخل نہیں ہو سکتی گو انسانی سرشت میں اصل جڑھ خُلق دیانت اور امانت کی وہی ہے جیساکہ بچہ اس غیر معقول حرکت سے متدین اور امین نہیں کہلا سکتا۔ ایسا ہی وہ شخص بھی اس خُلق سے متصف نہیں ہو سکتا جو اس طبعی حالت کو محل پر استعمال نہیں کرتا امین اور دیانتدار بننا بہت نازک امر ہے جبتک انسان تمام پہلو بجا نہ لاوے امین اور دیانتدار نہیں ہو سکتا۔ اسمیں اللہ تعالیٰ

نے نمونہ کے طور پر آیات مفصلہ ذیل میں امانت کا طریق سمجھایا ہے اور وہ طریق امانت یہ ہے۔ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا وَارْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا ۝ وَابْتَلُوا الْيَتَامَىٰ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَإِنْ آنَسْتُمْ مِنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ وَلَا تَأْكُلُوهَا إِسْرَافًا وَبِدَارًا أَنْ يَكْبَرُوا وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ ۚ فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهِدُوا عَلَيْهِمْ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ حَسِيبًا وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعَافًا خَافُوا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۝ إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا۔ ترجمہ۔ یعنی اگر کوئی ایسا تم میں مالدار ہو جو صحیح العقل نہ ہو مثلاً یتیم یا نابالغ ہو اور اندیشہ ہو کہ وہ اپنی حماقت سے اپنے مال کو ضائع کر دیگا تو تم (بطور کورٹ آف وارڈس کے) وہ تمام مال اسکا متکفل کے طور پر اپنے قبضہ میں لے لو۔ اور وہ تمام مال جس پر سلسلہ تجارت اور معیشت کا چلتا ہے ان بیوقوفوں کے حوالہ مت کرو اور اس مال میں سے بقدر ضرورت انکی کھانے اور پہننے کے لیئے دیدیا کرو اور انکو اچھی باتیں قول معروف کی کہتے رہو یعنی ایسی جن سے انکی عقل اور تمیز بڑھے اور ایک طور سے انکے مناسب حال انکی تربیت ہو جائے اور جاہل اور ناتجربہ کار نہ رہیں اگر وہ تاجر کے بیٹے ہیں تو تجارت کے طریقے انکو سکھاؤ اور اگر کوئی اور پیشہ رکھتے ہوں تو اس پیشہ کے مناسب حال انکو پختہ کر دو۔ غرض ساتھ ساتھ انکو تعلیم دیتے جاؤ اور اپنی تعلیم کو وقتاً فوقتاً امتحان بھی

کرتے جاؤ کہ جو کچھ تم نے سکھلایا انہوں نے سمجھا بھی ہے یا نہیں۔ پھر جب نکاح کے لائق ہو جاویں یعنی عمر قریباً اٹھارہ برس تک پہنچ جائے اور تم دیکھو کہ انہیں اپنے مال کے انتظام کی عقل پیدا ہو گئی ہے تو انکا مال انکے حوالہ کرو۔ اور فضول خرچی کے طور پر انکا مال خرچ نہ کرو اور نہ اس خوف سے جلدی کر کے کہ اگر یہ بڑے ہو جائینگے تو اپنا مال لے لیں گے۔ انکے مال کا نقصان کرو۔ جو شخص دولتمند ہو اسکو نہیں چاہیئے کہ انکے مال میں سے کچھ حق الخدمت لیوے۔ لیکن ایک محتاج بطور معروف لے سکتا ہے۔ عرب میں مالی محافظوں کے لیئے یہ طریق معروف تھا کہ اگر یتیموں کے کارپرداز انکے مال میں سے لینا چاہتے تو حتی الوسع یہ قاعدہ جاری رکھتے کہ جو کچھ یتیم کے مال کو تجارت سے فائدہ ہوتا اس میں سے آپ بھی لیتے راس المال کو تباہ نہ کرتے۔ سو یہ اسی عادت کی طرف اشارہ ہے کہ تم بھی ایسا کرو اور پھر فرمایا کہ جب تم یتیموں کو مال واپس کرنے لگو تو گواہوں کے روبرو انکو انکا مال دو اور جو شخص فوت ہونے لگے اور بچے اس کے ضعیف اور صغیر السن ہوں تو اسکو نہیں چاہیئے کہ کوئی ایسی وصیت کرے کہ جس میں بچوں کی حق تلفی ہو جو لوگ ایسے طور سے یتیم کا مال کھاتے ہیں جس سے یتیم پر ظلم ہو جائے وہ مال نہیں بلکہ آگ کھاتے ہیں اور آخر جلانیوالی آگ میں ڈالے جائینگے۔

اب دیکھو خدائے تعالیٰ نے دیانت اور امانت کے کسقدر پہلو بتلائے۔ سو حقیقی دیانت اور امانت وہی ہے جو ان تمام پہلوؤں کے لحاظ سے ہو اور اگر پوری عقلمندی کو دخل دیکر امانتداری میں تمام پہلوؤں کا لحاظ نہ ہو تو ایسی دیانت اور امانت کئی طور سے چھپی ہوئی خیانتیں اپنے ہمراہ رکھے گی اور پھر دوسری جگہ فرمایا وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْخَآئِنِیْنَ ۔ وَاَوْفُوا الْکَیْلَ اِذَا کِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَھُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ۔ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِیْثَ بِالطَّیِّبِ۔ یعنی آپس میں ایک دوسرے کے مال کو ناجایز طور پر مت کھایا کرو اور نہ اپنے مال کو رشوت کے طور پر حکام تک پہنچایا کرو تا اپنے حکام کی اعانت سے دوسرے کے مالوں کو دبالو۔ امانتوں کو انکے حقداروں کو واپس دیدیا کرو۔ خدا خیانت کرنیوالوں کو دوست نہیں رکھتا۔ جب تم ماپو تو پورا ماپو۔ جب تم وزن کرو تو پوری اور بے خلل ترازو سے وزن کرو۔ اور کسی طور سے لوگوں کو انکے مال کا نقصان نہ پہنچاؤ اور فساد کی نیت سے زمین پر مت پھرا کرو یعنی اس نیت سے کہ چوری کریں یا ڈاکہ ماریں یا کسی کی جیب کتریں یا کسی اور ناجائز طریق سے بیگانہ مال پر قبضہ کریں اور پھر فرمایا کہ تم اچھی چیزوں کے عوض میں خبیث اور ردی چیزیں نہ دیا کرو یعنی جس طرح دوسروں کا مال دبا لینا ناجائز ہے اسی طرح خراب چیزیں بیچنا یا اچھی کے عوض میں بُری دینا بھی ناجائز ہے۔ ان تمام آیات میں خدائے تعالیٰ نے تمام طریقے بددیانتی کے بیان فرما دیئے۔ اور ایسا کلام کلی کے طور پر فرمایا جس میں کسی بددیانتی کا ذکر باہر نہ رہ جائے۔ صرف یہ نہیں کہا کہ چوری نہ کر۔ تا ایک نادان یہ نہ سمجھ لے کہ چوری میرے لیئے حرام ہے۔ مگر دوسرے ناجائز طریقے سب حلال ہیں اس کلمہ جامع کے ساتھ تمام ناجائز طریقوں کو حرام ٹھہرانا یہی حکمت بیانی ہے غرض اگر کوئی اس بصیرت سے دیانت اور امانت کا خلق اپنے اندر نہیں رکھتا اور ایسے تمام پہلوؤں کی رعایت نہیں کرتا۔ وہ اگر دیانت و امانت کو بعض امور میں دکھلائے بھی تو یہ حرکت اسکی خلق دیانت میں داخل نہیں سمجھی جائے گی۔ بلکہ ایک طبعی

حالت ہوگی جو عقل تمیز اور بصیرت سے خالی ہے ؛
تیسری قسم ترک شر کی اخلاق میں سے وہ قسم ہے کہ جسکو عربی میں ھُدنہ اور ھون کہتے ہیں یعنی دوسرے کو ظلم کی راہ سے بدنی آزار نہ پہنچانا اور بے شر انسان ہونا اور صلحکاری کے ساتھ زندگی بسر کرنا۔ بلاشبہ صلحکاری اعلیٰ درجہ کا ایک خُلق ہے اور انسانیت کے لیئے ازبس ضروری اور اس خُلق کے مناسب حال طبعی قوت جو بچہ میں ہوتی ہے جسکی تعدیل سے یہ خُلق بنتا ہے الفت یعنی خوگرفتگی ہے یہ تو ظاہر ہے کہ انسان صرف طبعی حالتمیں یعنی اس حالت میں کہ جب انسان عقل سے بے بہرہ ہو صلح کے مضمون کو سمجھ نہیں سکتا۔ اور نہ جنگ جوئی کے مضمون کو سمجھ سکتا ہے۔ پس اس وقت جو ایک عادت موافقت کی اس میں پائی جاتی ہے وہی صلحکاری کی عادت کی ایک جڑھ ہے لیکن چونکہ وہ عقل اور تدبر اور خاص ارادہ سے اختیار نہیں کیجاتی اس لیئے خُلق میں داخل نہیں بلکہ خُلق میں تب داخل ہوگی کہ جب انسان بالارادہ اپنے تئیں بیشر بناکر صلحکاری کے خُلق کو اپنے محل پر استعمال کرے اور بے محل استعمال کرنے سے مجتنب رہے اس میں اللہ جلشانہٗ یہ تعلیم فرماتا ہے وَاَصۡلِحُوۡا ذَاتَ بَیۡنِکُمۡ اَلصُّلۡحُ خَیۡرٌ وَاِنۡ جَنَحُوۡا لِلسَّلۡمِ فَاجۡنَحۡ لَهَا۔ وَعِبَادُ الرَّحۡمٰنِ الَّذِیۡنَ یَمۡشُوۡنَ عَلَی الۡاَرۡضِ هَوۡنًا وَاِذَا مَرُّوۡا بِاللَّغۡوِ مَرُّوۡا كِرَامًا۔ اِدۡفَعۡ بِالَّتِیۡ هِیَ اَحۡسَنُ فَاِذَا الَّذِیۡ بَیۡنَكَ وَبَیۡنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیۡمٌ ؕ یعنی آپس میں صلحکاری اختیار کرو صلح میں خیر ہے جب وہ صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی جھک جاؤ۔ خدا کے نیک بندے صلحکاری کے ساتھ زمین پر چلتے ہیں اور اگر کوئی لغوبات کسی سے سنیں جو جنگ کا مقدمہ اور لڑائی کی ایک تمہید ہو

تو بزرگانہ طور پر طرح دیکر چلے جاتے ہیں اور ادنی ادنی بات پر لڑنا شروع نہیں کر دیتے یعنی جب تک کوئی زیادہ تکلیف نہ پہنچے اسوقت تک ہنگامہ پردازی کو اچھا نہیں سمجھتے اور صلحکاری کے محل شناسی کا یہی اصول ہے کہ ادنی ادنی باتوں کو خیال میں نہ لاویں اور معاف فرماویں اور لغو کا لفظ جو اس آیت میں آیا ہے سو واضح ہو کہ عربی زبان میں لغو اس حرکت کو کہتے ہیں کہ مثلاً ایک شخص شرارت سے ایسی بکواس کرے یا بہ نیت ایذا ایسا فعل اس سے صادر ہو کہ دراصل اس سے کچھ ایسا حرج اور نقصان نہیں پہنچتا۔ سو صلحکاری کی یہ علامت ہے کہ ایسی بیہودہ ایذا سے چشم پوشی فرماویں اور بزرگانہ سیرت عمل میں لاویں لیکن ایذا صرف لغو کی مد میں داخل نہ ہو بلکہ اس سے واقعی طور پر جان یا مال یا عزت کو ضرر پہنچے تو صلحکاری کے خُلق کو اس سے کچھ تعلق نہیں بلکہ اگر ایسے گناہ کو بخشا جائے تو اس خُلق کا نام عفو ہے جس کا انشاء اللہ تعالیٰ اس کے بعد بیان ہوگا اور پھر فرمایا کہ جو شخص شرارت سے کچھ یاوہ گوئی کرے تو تم نیک طریق سے صلحکاری کا اسکو جواب دو تب اس خصلت سے دشمن بھی دوست ہو جائیگا۔ غرض صلحکاری کے طریق سے چشم پوشی کا محل صرف اس درجہ کی بدی ہے جس سے کوئی واقعی نقصان نہ پہنچتا ہو۔ صرف دشمن کی بیہودہ گوئی ہو ۔

چوتھی قسم ترک شر کی اخلاق میں سے رفق اور قول حسن ہے اور یہ خُلق جس حالت طبعی سے پیدا ہوتا ہے اس کا نام طلاقت یعنی کشادہ روئی ہے بچہ جب تک کلام کرنے پر قادر نہیں ہوتا بجائے رفق اور قول حسن کے طلاقت دکھلاتا ہے۔ یہی دلیل اس بات پر ہے کہ رفق کی جڑھ جہاں سے یہ شاخ پیدا ہوتی ہے طلاقت ہے۔ طلاقت ایک قوت ہے اور رفق ایک خُلق ہے جو اس

قوت کو محل پر استعمال کرنے سے پیدا ہو جاتا ہے۔ اس میں خدائے تعالیٰ کی تعلیم ہے۔ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا ۔ لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ اِجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ۔ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ۔ یعنی لوگوں کو وہ باتیں کہو جو واقعی طور پر نیک ہوں۔ ایک قوم دوسری قوم سے ٹھٹھا نہ کرے ہو سکتا ہے کہ جنسے ٹھٹھا کیا گیا ہے وہی اچھے ہوں۔ بعض عورتیں بعض عورتوں سے ٹھٹھا نہ کریں ہو سکتا ہے کہ جنسے ٹھٹھا کیا گیا ہے وہی اچھی ہوں اور عیب مت لگاؤ اپنے لوگوں کے برے برے نام مت رکھو۔ بدگمانی کی باتیں مت کرو اور نہ عیبوں کو کرید کرید کر پوچھو ایک دوسرے کا گلہ مت کرو۔ کسی کی نسبت وہ بہتان یا الزام مت لگاؤ جس کا تمہارے پاس کوئی ثبوت نہیں اور یاد رکھو کہ ہر ایک عضو سے مواخذہ ہوگا اور کان آنکھ دل ہر ایک سے پوچھا جائیگا۔

ایصال خیر کے اقسام

اب ترک شر کے اقسام ختم ہو چکے اور اب ہم ایصال خیر کے اقسام بیان کرتے ہیں۔ دوسری قسم ان اخلاق کی جو ایصال خیر سے تعلق رکھتے ہیں پہلا خلق ان میں سے عفو ہے یعنی کسی کے گناہ کو بخشدینا اس میں ایصال خیر یہ ہے کہ جو گناہ کرتا ہے وہ ایک ضرر پہنچاتا ہے اور اس لائق ہوتا ہے کہ اسکو بھی ضرر پہنچایا جائے۔ سزا دلائی جائے قید کرایا جائے جرمانہ کرایا جائے یا آپ ہی اس پر ہاتھ اٹھایا جائے۔ پس اس کو بخشدینا اگر مناسب ہو تو اس کے

حق میں ایصال خیر ہے۔ اس میں قرآن شریف کی تعلیم یہ ہے۔ وَالْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ ۔ جَزٰٓؤُا سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِّثْلُھَا فَمَنْ عَفٰی وَاَصْلَحَ فَاَجْرُہٗ عَلَی اللّٰہِ ۔ یعنی نیک آدمی وہ ہیں جو غصہ کھانے کے محل پر اپنا غصہ کھا جاتے ہیں اور بخشنے کے محل پر گناہ کو بخشتے ہیں۔ بدی کی جزا اسی قدر بدی ہے جو کی گئی ہو لیکن جو شخص گناہ کو بخشدے اور ایسے موقع پر بخشے کہ اس سے کوئی اصلاح ہوتی ہو کوئی شر پیدا نہ ہوتا ہو یعنی عین عفو کے محل پر ہو نہ غیر محل پر تو اسکا وہ بدلہ پائیگا۔ اس آیت سے ظاہر ہے کہ قرآنی تعلیم یہ نہیں کہ خواہ نخواہ اور ہر جگہ شر کا مقابلہ نہ کیا جائے۔ اور شریروں اور ظالموں کو سزا نہ دیجائے۔ بلکہ یہ تعلیم ہے کہ دیکھنا چاہیئے کہ وہ محل اور موقع گناہ بخشنے کا ہے یا سزا دینے کا ہے پس مجرم کے حق میں اور نیز عامہ خلائق کے حق میں جو کچھ فی الواقع بہتر ہو وہی صورت اختیار کیجائے بعض وقت ایک مجرم گناہ بخشنے سے اور بھی دلیر ہو جاتا ہے۔ پس خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ اندھوں کی طرح صرف گناہ بخشنے کی عادت مت ڈالو بلکہ غور سے دیکھ لیا کرو کہ حقیقی نیکی کس بات میں ہے آیا بخشنے میں یا سزا دینے میں۔ پس جو امر محل اور موقع کے مناسب ہو وہی کرو۔ افراد انسانی کے دیکھنے سے صاف ظاہر ہے کہ جیسے بعض لوگ کینہ کشی پر بہت حریص ہوتے ہیں یہانتک کہ دادوں پردادوں کے کینوں کو یاد رکھتے ہیں ایسا ہی بعض لوگ عفو اور درگذر کی عادت کو انتہا تک پہنچا دیتے ہیں اور بسا اوقات اس عادت کے افراط سے دیوثی تک نوبت پہنچ جاتی ہے اور ایسے قابل شرم حلم اور عفو اور درگذر ان سے صادر ہوتے ہیں جو سراسر حمیت اور غیرت اور عفت کے برخلاف ہوتے ہیں بلکہ نیک چلنی پر داغ لگاتے ہیں اور ایسے عفو اور درگذر کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سب لوگ توبہ توبہ کر اُٹھتے ہیں

انہی خرابیوں کے لحاظ سے قرآن شریف میں ہر ایک خُلق کے لیئے محل اور موقع کی شرط لگادی ہے اور ایسے خُلق کو منظور نہیں رکھا جو بے محل صادر ہو۔ یاد رہے کہ مجرد عفو کو خُلق نہیں کہ سکتے بلکہ وہ ایک طبعی قوت ہے جو بچوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ بچہ کو جس کے ہاتھ سے چوٹ لگ جائے خواہ شرارت سے ہی لگے تھوڑی دیر کے بعد وہ اس قصّہ کو بھلادیتا ہے اور پھر اس کے پاس محبت سے جاتا ہے اور اگر ایسے شخص نے اسکے قتل کا بھی ارادہ کیا ہو تب بھی صرف میٹھی بات پر خوش ہو جاتا ہے پس ایسا عفو کسی طرح خُلق میں داخل نہیں ہوگا۔ خلق میں اس صورت میں داخل ہوگا جب ہم اسکو محل اور موقع پر استعمال کرینگے ورنہ صرف ایک طبعی قوّت ہوگی۔ دنیا میں بہت تھوڑے ہیں ایسے لوگ ہیں جو طبعی قوّت اور خُلق میں فرق کر سکتے ہیں۔ ہم بار بار لکھ چکے ہیں کہ حقیقی خُلق اور طبعی حالتوں میں یہ فرق ہے کہ خُلق ہمیشہ محل اور موقع کی پابندی اپنے ساتھ رکھتا ہے اور طبعی قوت بے محل ظاہر ہو جاتی ہے یوں تو چارپایوں میں گائے بھی بے شر ہے اور بکری بھی دل کی غریب ہے مگر ہم انکو اسی سبب سے ان خلقوں سے متصف نہیں کہ سکتے کہ انکو محل اور موقع کی عقل نہیں دی گئی۔ خدا کی حکمت اور خدا کی سچی اور کامل کتاب نے ہر ایک خُلق کے ساتھ محل اور موقع کی شرط لگادی ہے۔

دوسرا خُلق اخلاق ایصال خیر میں سے عدل ہے اور تیسرا احسان اور چوتھا ایتاء ذی القربٰی جیسا کہ اللہ جلشانہٗ فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآءِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ نیکی کے مقابل پر نیکی کرو۔ اور اگر عدل سے بڑھکر احسان کا موقع اور محل ہو تو وہاں احسان کرو اور اگر احسان سے بڑھکر

قریبوں کی طرح طبعی جوش سے نیکی کرنیکا محل ہو تو وہاں طبعی ہمدردی سے نیکی
کرو اور اس سے خدائے تعالیٰ منع فرماتا ہے کہ تم حدود اعتدال سے آگے
گذر جاؤ۔ یا احسان کے بارے میں منکرانہ حالت تم سے صادر ہو جس سے عقل
انکار کرے یعنی یہ کہ تم بے محل احسان کرو یا برمحل احسان کرنے سے دریغ کرو
یا یہ کہ تم محل پر ایتاء ذی القربیٰ کے خلق میں کچھ کمی اختیار کرو یا حد سے زیادہ
رحم کی بارش کرو۔ اس آیت کریمہ میں ایصال خیر کے تین درجوں کا بیان ہے
اول یہ درجہ کہ نیکی کے مقابل پر نیکی کیجائے۔ یہ تو کم درجہ ہے اور ادنیٰ درجہ
کا بھلا مانس آدمی بھی یہ خلق حاصل کر سکتا ہے کہ اپنے نیکی کرنے والوں کے ساتھ
نیکی کرتا رہے۔ دوسرا درجہ اس سے مشکل ہے اور وہ یہ کہ ابتداءً آپ ہی نیکی
کرنا اور بغیر کسی کے حق کے طور پر اسکو فائدہ پہنچانا اور یہ خلق اوسط درجہ کا ہے۔
اکثر لوگ غریبوں پر احسان کرتے ہیں اور احسان میں یہ ایک مخفی عیب ہے
کہ احسان کرنیوالا خیال کرتا ہے کہ مینے احسان کیا ہے اور کم سے کم وہ اپنے احسان
کے عوض میں شکریہ یا دعا چاہتا ہے اور اگر کوئی ممنون منت اسکا مخالف ہو جائے
تو اس کا نام احسان فراموش رکھتا ہے بعض وقت اپنے احسان کی وجہ سے
اسپر فوق الطاقت بوجھ ڈالدیتا ہے اور اپنا احسان اسکو یاد دلاتا ہے جیساکہ
احسان کرنیوالوں کو خدائے تعالیٰ متنبہ کرنیکے لیئے فرماتا ہے۔ لَا تُبْطِلُوْا
صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى۔ یعنی اے احسان کرنیوالو! اپنے
صدقات کو جن کی صدق پر بنا چاہیئے احسان یاد دلانے اور دکھ دینے کے
ساتھ برباد مت کرو یعنی صدقہ کا لفظ صدق سے مشتق ہے۔ پس اگر دل
میں صدق اور اخلاص نہ رہے تو وہ صدقہ صدقہ نہیں رہتا بلکہ ایک ریاکاری
کی حرکت ہو جاتی ہے غرض احسان کرنیوالے میں یہ ایک خامی ہوتی ہے کہ

کبھی غصہ میں آکر اپنا احسان بھی یاد دلا دیتا ہے اسی وجہ سے خدائے تعالیٰ
نے احسان کرنیوالوں کو ڈرایا۔ تیسرا درجہ ایصال خیر کا خدائے تعالیٰ نے
یہ فرمایا ہے کہ بالکل احسان کا خیال نہ ہو اور نہ شکرگذاری پر نظر ہو بلکہ ایک
ایسی ہمدردی کے جوش سے نیکی صادر ہو جیسا کہ ایک نہایت قریبی مثلاً والدہ
محض ہمدردی کے جوش سے اپنے بیٹے سے نیکی کرتی ہے۔ یہ وہ آخری درجہ
ایصال خیر کا ہے جس سے آگے ترقی کرنا ممکن نہیں لیکن خدائے تعالیٰ نے
ان تمام ایصال خیر کی قسموں کو محل اور موقع سے وابستہ کر دیا ہے اور آیت
موصوفہ میں صاف فرما دیا ہے کہ اگر یہ نیکیاں اپنے اپنے محل پر مستعمل نہیں
ہونگی تو پھر یہ بدیاں ہو جائیں گی۔ بجائے عدل فحشا بنجائیگا۔ یعنی حد سے
اتنا تجاوز کرنا کہ ناپاک صورت ہو جائے۔ اور ایسا ہی بجائے احسان کے منکر
کی صورت نکل آئیگی۔ یعنی وہ صورت جس سے عقل اور کانشنس انکار کرتا ہے
اور بجائے ایتاء ذی القربیٰ کے بغی بنجائیگا یعنی وہ بے محل ہمدردی کا جوش
ایک بری صورت پیدا کرے گا۔ اصل میں بغی اس بارش کو کہتے ہیں جو حد سے
زیادہ برس جائے اور کھیتوں کو تباہ کر دے اور حق واجب میں کمی رکھنے کو
بغی کہتے ہیں۔ اور یا حق واجب سے افزونی کرنا بھی بغی ہے۔ غرض ان تینوں
میں سے جو محل پر صادر نہیں ہوگا وہی خراب سیرت ہو جائے گی۔ اسی لئے
ان تینوں کے ساتھ موقع اور محل کی شرط لگا دی ہے۔ اسجگہ یاد رہے کہ مجرد
عدل یا احسان یا ہمدردی ذی القربیٰ کو خلق نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ انسان میں
یہ سب طبعی حالتیں اور طبعی قوتیں ہیں کہ جو بچوں میں بھی وجود عقل سے پہلے
پائی جاتی ہیں۔ مگر خلق کے لئے عقل شرط ہے اور نیز یہ شرط ہے کہ ہر ایک طبعی
قوت محل اور موقع پر استعمال ہو ؂

اور پھر احسان کے بارے میں اور بھی ضروری ہدایتیں قرآن شریف میں ہیں اور سب کو الف لام کے ساتھ جو خاص کرنے کے لئے آتا ہے استعمال فرما کر موقع اور محل کی رعایت کی طرف اشارہ فرمایا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْهُ۔ لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِیْ یُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ۔ اَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ٥ اِنَّ الْاَبْرَارَ یَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ٥ عَیْنًا یَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ یُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِیْرًا ٥ وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِیْنًا وَّیَتِیْمًا وَّاَسِیْرًا ٥ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِیْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ٥ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰى وَالْیَتٰمٰى وَالْمَسٰكِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ ٥ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا وَكَانَ بَیْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا۔ وَالَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ یُّوْصَلَ وَیَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَیَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ٥ وَفِیْۤ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ٥ اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً ٥ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِیْنِ وَالْعٰمِلِیْنَ عَلَیْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِی الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِیْنَ وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِیْلِ فَرِیْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ٥ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ٥

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّہٗ وَالْمِسْکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَلَا
تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًا ۔ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِی الْقُرْبٰی
وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَالْجَارِ الْجُنُبِ
وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِیْلِ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ
اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ مَنْ کَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا ۔ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ
وَیَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَیَکْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ
فَضْلِہٖ ترجمہ یہ ہے کہ اے ایمان والو! تم ان مالوں میں سے لوگوں کو
بطریق سخاوت یا احسان یا صدقہ وغیرہ دو جو تمھاری پاک کمائی ہے یعنی
جس میں چوری یا رشوت یا خیانت یا غبن کا مال یا ظلم کے روپیہ کی آمیزش
نہیں اور یہ قصد تمھارے دل سے دور ہے کہ ناپاک مال لوگوں کو دو اور
دوسری یہ بات ہے کہ اپنی خیرات اور مروت کو احسان رکھنے اور دکھ دینے
کے ساتھ باطل مت کرو یعنی اپنے ممنون منت کو کبھی یہ نہ جتلاؤ کہ ہم نے
تجھے یہ دیا تھا اور نہ اُس کو دکھ دو کیونکہ اس طرح تمھارا احسان باطل ہوگا
اور نہ ایسا طریق پکڑو کہ تم اپنے مالوں کو ریاکاری کے ساتھ خرچ کرو۔ خدا کی
مخلوق سے احسان کرو کہ خدا احسان کرنیوالوں کو دوست رکھتا ہے جو لوگ
حقیقی نیکی کرنیوالے ہیں اُنکو وہ جام پلائے جائیں گے جنکی ملونی کافور کی
ہوگی یعنی دنیا کی سوزشیں اور حسرتیں اور ناپاک خواہشیں انکے دل سے دُور
کردیجائیں گی۔ کافور کَفر سے مشتق ہے اور کَفر لغت عرب میں دبانے اور
ڈھانکنے کو کہتے ہیں مطلب یہ کہ انکے جذبات ناجائز دبائے جائیں گے
اور وہ پاک باطن ہوجائیں گے اور معرفت کی خنکی انکو پہنچے گی پھر فرماتا ہے
کہ وہ لوگ قیامت کو اس چشمہ کا پانی پئیں گے جسکو وہ آج اپنے ہاتھ سے

چیر رہے ہیں۔ اسجگہ بہشت کی فلاسفی کا ایک گہرا راز تبلایا ہے جس کو سمجھنا ہو سمجھ لے۔ اور پھر فرمایا ہے کہ حقیقی نیکی کرنیوالوں کی یہ خصلت ہے کہ وہ محض خدا کی محبت کے لیئے وہ کھانے جو آپ پسند کرتے ہیں مسکینوں اور یتیموں اور قیدیوں کو کھلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تمپر کوئی احسان نہیں کرتے بلکہ یہ کام صرف اس بات کے لیئے کرتے ہیں کہ خدا ہم سے راضی ہو اور اُس کے مُنہ کے لیئے یہ خدمت ہے ہم تم سے نہ تو کوئی بدلہ چاہتے ہیں اور نہ چاہتے ہیں کہ تم ہمارا شکر کرتے پھرو یہ اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ ایصال خیر کی تیسری قسم جو محض ہمدردی کے جوش سے ہے وہ طریق بجالاتے ہیں سچے نیکوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ خدا کی رضاجوئی کے لیئے اپنے قریبیوں کو اپنے مال سے مدد کرتے ہیں اور نیز اس مال میں سے یتیموں کے تعہد اور ان کی پرورش اور تعلیم وغیرہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں اور مسکینوں کو فقر و فاقہ سے بچاتے ہیں اور مسافروں اور سوالیوں کی خدمت کرتے ہیں اور ان مالوں کو غلاموں کو آزاد کرانیکے لیئے اور قرضدار ونکو سبکدوش کرنیکے لیئے بھی دیتے ہیں اور اپنے خرچوں میں نہ تو اسراف کرتے ہیں نہ تنگدلی کی عادت رکھتے ہیں اور میانہ روش چلتے ہیں پیوند کرنیکی جگہ پر پیوند کرتے ہیں اور خدا سے ڈرتے ہیں اور اُنکے مالوں میں سوالیوں اور بے زبانوں کا حق بھی ہے۔ بے زبانوں سے مراد کتّے بلّیاں چڑیاں بیل گدھے بکریاں اور دوسری چیزیں ہیں وہ تکلیفوں اور کم آمدنی کی حالت میں اور قحط کے دنوں میں سخاوت سے دل تنگ نہیں ہو جاتے بلکہ تنگی کیحالت میں بھی اپنے مقدور کے موافق سخاوت کرتے رہتے ہیں وہ کبھی پوشیدہ خیرات کرتے ہیں اور کبھی ظاہر۔ پوشیدہ اس لیئے کہ تا ریاکاری سے بچیں اور ظاہر اسلیئے کہ تا دوسروں کو ترغیب دیں۔ خیرات اور صدقات وغیرہ پر جو مال دیا جائے اس میں یہ ملحوظ رہنا چاہیئے کہ پہلے جسقدر محتاج ہیں انکو دیا جائے۔ ہاں جو خیرات کے مال کا تعہد کریں یا اس کے لیئے انتظام و اہتمام کریں انکو خیرات کے مال سے کچھ مل سکتا ہے

اور نیز کسی کو بدی سے بچانے کے لیئے بھی اس مال میں سے دے سکتے ہیں۔ ایسا ہی
وہ مال غلاموں کے آزاد کرنیکے لیئے اور محتاج اور قرضداروں اور آفت زدہ لوگوں کی
مدد کیلیئے بھی اور دوسری راہوں میں جو محض خدا کے لیئے ہوں خرچ ہوگا تم حقیقی نیکی کو
ہرگز نہیں پا سکتے جبتک کہ بنی نوع کی ہمدردی میں وہ مال خرچ نہ کرو جو تمھارا پیارا مال ہے
غریبوں کا حق ادا کرو مسکینوں کو دو مسافروں کی خدمت کرو اور فضولیوں سے اپنے
تئیں بچاؤ یعنی بیاہوں شادیوں میں اور طرح طرح کی عیاشی کی جگہوں میں اور لڑکا
پیدا ہونے کی رسوم میں جو اسراف سے مال خرچ کیا جاتا ہے اس سے اپنے تئیں بچاؤ
تم ماں باپ سے نیکی کرو اور قریبیوں سے اور یتیموں سے اور مسکینوں سے اور
ہمسایہ سے جو تمھارا قریبی ہے اور ہمسایہ سے جو بیگانہ ہے اور مسافر سے اور نوکر اور
غلام اور گھوڑے اور بکری اور بیل اور گائے سے اور حیوانات سے جو تمھارے قبضہ
میں ہوں کیونکہ خدا کو جو تمھارا خدا ہے یہی عادتیں پسند ہیں۔ وہ لاپرواہوں اور خود غرضوں
سے محبت نہیں کرتا اور ایسے لوگوں کو نہیں چاہتا جو بخیل ہیں اور لوگوں کو بخل کی تعلیم دیتے
ہیں اور اپنے مال کو چھپاتے ہیں یعنی محتاجوں کو کہتے ہیں کہ ہمارے پاس کچھ نہیں۔

شجاعت

اور منجملہ انسان کی طبعی حالتوں کے وہ حالت ہے جو شجاعت سے مشابہ ہوتی ہے
جیسا کہ شیرخوار بچہ بھی اسی قوت کی وجہ سے کبھی آگ میں ہاتھ ڈالنے لگتا ہے کیونکہ انسان
کا بچہ بباعث فطرتی جوہر غلبہ انسانیت کے ڈرانیوالے نمونوں سے پہلے کسی چیز سے
بھی نہیں ڈرتا۔ اس حالت میں انسان نہایت بے باکی سے شیروں اور دوسرے جنگلی
درندوں کا بھی مقابلہ کرتا ہے اور تن تنہا مقابلہ کے لیئے کئی آدمیوں کے لڑنیکے لیئے
نکلتا ہے اور لوگ جانتے ہیں کہ بڑا بہادر ہے لیکن یہ صرف ایک طبعی حالت ہے کہ اور
درندوں میں بھی پیدا ہوتی ہے بلکہ کتوں میں بھی پائی جاتی ہے اور حقیقی شجاعت جو محل
اور موقع کے ساتھ خاص ہے اور جو اخلاق فاضلہ میں سے ایک خُلق ہے وہ ان محل

اور موقع کے امور کا نام ہے جن کا ذکر خدائے تعالیٰ کے پاک کلام میں اس طرح پر آیا ہے
وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ وَالَّذِيْنَ
صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ الَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ
قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ
وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا
وَّرِئَآءَ النَّاسِ یعنی بہادر وہ ہیں کہ جب لڑائی کا موقع آپڑے یا اُنپر کوئی مصیبت
آپڑے تو بھاگتے نہیں انکا صبر لڑائی اور سختیوں کے وقت میں خدا کی رضامندی
کے لیئے ہوتا ہے اور اُس کے چہرہ کے طالب ہوتے ہیں نہ کہ بہادری دکھانیکے
اُن کو ڈرایا جاتا ہے کہ لوگ تمھیں سزا دینے کے لیئے اتفاق کر گئے ہیں سو تم
لوگوں سے ڈرو پس ڈرانے سے اور بھی اُن کا ایمان بڑھتا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ
خدا ہمیں کافی ہے یعنی اُنکی شجاعت درندوں اور کتوں کی طرح نہیں ہوتی جو صرف طبعی
جوش پر مبنی ہو جس کا ایک ہی پہلو پر میل ہو بلکہ اُنکی شجاعت دو پہلو رکھتی ہے کبھی تو
وہ اپنی ذاتی شجاعت سے اپنے نفس کے جذبات کا مقابلہ کرتے ہیں اور اُسپر غالب آتے
ہیں اور کبھی جب دیکھتے ہیں کہ دشمن کا مقابلہ قرین مصلحت ہے تو نہ صرف جوش نفس
سے بلکہ سچائی کی مدد کے لیئے دشمن کا مقابلہ کرتے ہیں مگر نہ اپنے نفس کا بھروسہ
کر کے بلکہ خدا پر بھروسہ کر کے بہادری دکھاتے ہیں اور اُنکی شجاعت میں ریاکاری اور
خود بینی نہیں ہوتی اور نہ نفس کی پیروی بلکہ ہر ایک پہلو سے خدا کی رضا مقدم ہوتی
ہے۔ ان آیات میں سمجھایا گیا ہے کہ حقیقی شجاعت کی جڑھ صبر اور ثابت قدمی ہے
اور ہر ایک جذبہ نفسانی یا بلا جو دشمنوں کی طرح حملہ کرے اس کے مقابلہ پر ثابت
قدم رہنا اور بزدل ہو کر بھاگ نہ جانا یہی شجاعت ہے سو انسان اور درندہ کی
شجاعت میں بڑا فرق ہے درندہ ایک ہی پہلو پر جوش اور غضب سے کام لیتا ہے

اور انسان جو حقیقی شجاعت رکھتا ہے وہ مقابلہ اور ترک مقابلہ میں جو کچھ قرین مصلحت ہو وہ اختیار کر لیتا ہے۔

سچائی

اور منجملہ انسان کی طبعی حالتوں کے جو اُس کی فطرت کا خاصہ ہے سچائی ہے انسان جب تک کوئی غرض نفسانی اس کی محرک نہ ہو جھوٹ بولنا نہیں چاہتا اور جھوٹ کے اختیار کرنے میں ایک طرح کی نفرت اور قبض اپنے دل میں پاتا ہے اسی وجہ سے جس شخص کا صریح جھوٹ ثابت ہو جائے اُس سے ناخوش ہوتا ہے اور اُسکو تحقیر کی نظر سے دیکھتا ہے۔ لیکن صرف یہی طبعی حالت اخلاق میں داخل نہیں ہو سکتی بلکہ بچے اور دیوانے بھی اس کے پابند رہ سکتے ہیں۔ سو اصل حقیقت یہ ہے کہ جب تک انسان ان نفسانی اغراض سے علیحدہ نہ ہو جو راست گوئی سے روک دیتے ہیں تب تک حقیقی طور پر راست گو نہیں ٹھہر سکتا کیونکہ اگر انسان صرف ایسی باتوں میں سچ بولے جن میں اسکا چنداں حرج نہیں اور اپنی عزت یا مال یا جان کے نقصان کے وقت جھوٹ بول جائے اور سچ بولنے سے خاموش رہے تو اسکو دیوانوں اور بچوں پر کیا فوقیت ہے کیا پاگل اور نابالغ لڑکے بھی ایسا سچ نہیں بولتے دنیا میں ایسا کوئی بھی نہیں ہوگا کہ جو بغیر کسی تحریک کے خواہ نخواہ جھوٹ بولے پس ایسا سچ جو کسی نقصان کے وقت چھوڑا جائے حقیقی اخلاق میں ہرگز داخل نہیں ہوگا سچ کے بولنے کا بڑا بھاری محل اور موقع وہی ہے جس میں اپنی جان یا مال یا آبرو کا اندیشہ ہو اسمیں خدا کی یہ تعلیم ہے فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّوْرِ۔ وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا۔ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ۔ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ

عَلٰی اَلَّا تَعْدِلُوْا ۔ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۔ لَا یَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۔ ترجمہ ۔ بتوں کی پرستش اور اور جھوٹ بولنے سے پرہیز کرو یعنی جھوٹ بھی ایک بت ہے جس پر بھروسہ کرنیوالا خدا کا بھروسا چھوڑ دیتا ہے ۔ سو جھوٹ بولنے سے خدا بھی ہاتھ سے جاتا ہے اور پھر فرمایا کہ جب تم سچی گواہی کے لیئے بلائے جاؤ تو جانے سے انکار مت کرو اور سچی گواہی کو مت چھپاؤ اور جو چھپائیگا اُس کا دل گنہگار ہے اور جب تم بولو تو وہی بات مُنہ پر لاؤ جو سراسر سچ اور عدالت کی بات ہے اگرچہ تم اپنے کسی قریبی پر گواہی دو ۔ حق اور انصاف پر قائم ہو جاؤ اور چاہیئے کہ ہر ایک گواہی تمھاری خدا کے لیئے ہو ۔ جھوٹ مت بولو اگرچہ سچ بولنے سے تمھاری جانوں کو نقصان پہنچے یا اس سے تمھارے ماں باپ کو ضرر پہنچے اور قریبیوں کو جیسے بیٹے وغیرہ کو ۔ اور چاہیئے کہ کسی قوم کی دشمنی تمھیں سچی گواہی سے نہ روکے ۔ سچے مرد اور سچی عورتیں بڑے بڑے اجر پائینگے ۔ انکی عادت ہے کہ اوروں کو بھی سچ کی نصیحت دیتے ہیں اور جھوٹوں کی مجلسوں میں نہیں بیٹھتے ؛

منجملہ انسان کے طبعی امور کے ایک صبر ہے جو اسکو ان مصیبتوں اور بیماریوں اور دکھوں پر کرنا پڑتا ہے جو اسپر ہمیشہ پڑتے رہتے ہیں اور انسان بہت سے سیاپے اور جزع فزع کے بعد صبر اختیار کرتا ہے لیکن جاننا چاہیئے کہ خدائے تعالیٰ کی پاک کتاب کے رو سے وہ صبر اخلاق میں داخل نہیں ہے بلکہ وہ ایک حالت ہے جو تھک جانیکے بعد ضرورتاً ظاہر ہو جاتی ہے یعنی انسان کی طبعی حالتوں میں سے یہ بھی ایک حالت ہے کہ وہ مصیبت کے ظاہر ہونیکے وقت پہلے رونا چیخنا سر پیٹتا ہے آخر بہت سا بخار نکالکر جوش تھم جاتا ہے اور انتہا تک پہنچکر پیچھے ہٹنا پڑتا ہے پس یہ دونوں حرکتیں طبعی حالتیں ہیں انکو خُلق سے کچھ تعلق نہیں بلکہ اسکے

متعلق خلق یہ ہے کہ جب کوئی چیز اپنے ہاتھ سے جاتی رہے تو اس چیز کو خدائے تعالیٰ کی امانت سمجھ کر کوئی شکایت منہ پر نہ لاوے اور یہ کہے کہ خدا کا تھا خدا نے لے لیا اور ہم اُسکی رضا کے ساتھ راضی ہیں اسکے متعلق خدائے تعالیٰ کا پاک کلام قرآن شریف ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَا اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ اُولٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَاُولٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ یعنی اے مومنو! ہم تمہیں اسطرح پر آزماتے رہیں گے کہ کبھی کوئی خوفناک حالت تم پر طاری ہوگی اور کبھی فقر و فاقہ تمھارے شامل حال ہوگا اور کبھی تمھارا مالی نقصان ہوگا اور کبھی جانوں پر آفت آئے گی اور کبھی اپنی محنتوں میں ناکام رہوگے اور حسب المراد نتیجے کوششوں کے نہیں نکلیں گے اور کبھی تمھاری پیاری اولاد مرے گی پس ان لوگوں کو خوشخبری ہو کہ جب انکو کوئی مصیبت پہنچے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم خدا کی چیز ہیں اور اُس کی امانتیں اور اُس کے مملوک ہیں۔ پس حق یہی ہے کہ جس کی امانت ہے اسکی طرف رجوع کرے یہی لوگ ہیں جنپر خدا کی رحمتیں ہیں اور یہی لوگ ہیں جو خدا کی راہ کو پا گئے۔ غرض اس خُلق کا نام صبر اور رضا برضا الٰہی ہے اور ایک طور سے اس خُلق کا نام عدل بھی ہے کیونکہ جبکہ خدائے تعالیٰ انسان کی تمام زندگی میں اسکی مرضی کے موافق کام کرتا ہے اور نیز ہزارہا باتیں اسکی مرضی کے موافق ظہور میں لاتا ہے اور انسان کی خواہش کے مطابق اسقدر نعمتیں اسکو دے رکھی ہیں کہ انسان شمار نہیں کرسکتا تو پھر یہ شرط انصاف نہیں کہ اگر وہ کبھی اپنی مرضی بھی منوانا چاہے تو انسان منحرف ہو اور اس کی رضا کے ساتھ راضی نہ ہو اور چون و چرا کرے یا بے دین اور بے راہ ہو جائے ؛

ہمدردی خلق

اور منجملہ انسان کے طبعی امور کے جو اس کی طبیعت کے لازم حال ہیں ہمدردی خلق کا ایک جوش ہے قومی حمایت کا ایک جوش بالطبع ہر ایک مذہب کے لوگوں میں پایا جاتا ہے اور اکثر لوگ طبعی جوش سے اپنی قوم کی ہمدردی کے لیئے دوسروں پر ظلم کر دیتے ہیں گویا اُنہیں انسان نہیں سمجھتے۔ سو اس حالت کو خُلق نہیں کہہ سکتے یہ فقط ایک طبعی جوش ہے اور اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ حالت طبعی کوّوں وغیرہ پرندوں میں بھی پائی جاتی ہے کہ ایک کوّے کے مرنے پر ہزارہا کوّے جمع ہو جاتے ہیں لیکن یہ عادت انسانی اخلاق میں اُسوقت داخل ہو گی جبکہ ہمدردی انصاف اور عدل کی رعایت سے محل اور موقع پر ہو اُسوقت یہ ایک عظیم الشان خلق ہو گا جس کا نام عربی میں مواسات اور فارسی میں ہمدردی ہے اسی کی طرف اللہ جل شانہٗ قرآن شریف میں اشارہ فرماتا ہے تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَلَا تَهِنُوْا فِی ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِیْنَ خَصِیْمًا وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِیْنَ یَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِیْمًا یعنی اپنی قوم کی ہمدردی اور اعانت فقط نیکی کے کاموں میں کرنی چاہیئے اور ظلم اور زیادتی کے کاموں میں اُن کی اعانت ہرگز نہیں کرنی چاہیئے اور قوم کی ہمدردی میں سرگرم رہو تھکو مت اور خیانت کرنیوالوں کی طرف سے مت جھگڑو جو خیانت کرنے سے باز نہیں آتے خدا تعالیٰ خیانت پیشہ لوگوں کو دوست نہیں رکھتا۔

برتر ہستی کی تلاش

منجملہ انسان کی طبعی حالتوں کے جو اس کی فطرۃ کو لازم پڑی ہوئی ہیں ایک برتر ہستی کی تلاش ہے جس کے لیئے اندر ہی اندر انسان کے دل میں ایک کشش موجود ہے اور اس تلاش کا اثر اسی وقت سے ہونے لگتا ہے جبکہ بچہ ماں کے پیٹ سے باہر آتا ہے کیونکہ بچہ پیدا ہوتے ہی پہلے روحانی خاصیت اپنی جو دکھاتا

ہے وہ یہی ہے کہ ماں کی طرف جھکا جاتا ہے اور طبعاً اپنی ماں کی محبت رکھتا ہے
اور پھر جیسے جیسے حواس اُسکے کھلتے جاتے ہیں اور شگوفہ فطرت اسکا کھلتا جاتا ہے
یہ کشش محبت جو اس کے اندر چھپی ہوئی تھی اپنا رنگ روپ نمایاں طور پر دکھاتی
چلی جاتی ہے پھر تو یہ ہوتا ہے کہ بجز اپنی ماں کی گود کے کسی جگہ آرام نہیں پاتا
اور پورا آرام اُسکا اسی کے کنار عاطفت میں ہوتا ہے اگر ماں سے علیحدہ کر دیا
جائے اور دور ڈالدیا جائے تو تمام عیش اس کا تلخ ہوجاتا ہے اور اگرچہ اس کے
آگے نعمتوں کا ایک ڈھیر ڈالدیا جاوے تب بھی وہ اپنی سچی خوشحالی ماں کی گود
میں ہی دیکھتا ہے اور اس کے بغیر کسی طرح آرام نہیں پاتا سو وہ کشش محبت
جو اسکو اپنی ماں کی طرف پیدا ہوتی ہے وہ کیا چیز ہے؟

درحقیقت یہ وہی کشش ہے جو معبود حقیقی کے لئے بچہ کی فطرت میں رکھی
گئی ہے بلکہ ہر ایک جگہ جو انسان تعلق محبت پیدا کرتا ہے درحقیقت وہی کشش
کام کر رہی ہے اور ہر ایک جگہ جو یہ عاشقانہ جوش دکھلاتا ہے درحقیقت اسی
محبت کا وہ ایک عکس ہے گویا دوسری چیزوں کو اُٹھا اُٹھا کر ایک گم شدہ چیز
کی تلاش کر رہا ہے جس کا اب نام بھول گیا ہے سو انسان کا مال یا اولاد یا
بیوی سے محبت کرنا یا کسی خوش آواز کے گیت کی طرف اس کی روح کا کھینچے جانا
درحقیقت اُسی گم شدہ محبوب کی تلاش ہے اور چونکہ انسان اس دقیق در دقیق
ہستی کو جو آگ کی طرح ہر ایک میں مخفی اور سب پر پوشیدہ ہے اپنی جسمانی
آنکھوں سے دیکھ نہیں سکتا اور نہ اپنی ناتمام عقل سے اسکو پا سکتا ہے
اس لئے اسکی معرفت کے بارے میں انسان کو بڑی بڑی غلطیاں لگی ہیں اور
سہو کاریوں سے اُسکا حق دوسرے کو دیا گیا ہے خدا نے قرآن شریف میں
یہ خوب مثال دی ہے کہ دنیا ایک ایسے شیش محل کی طرح ہے جسکی زمین کا

کہ ایسا کب ہوگا سو وہی خدا ہے جو ان تمام وقتوں کو جانتا ہے پھر فرمایا کہ ھُوَ الرَّحْمٰنُ یعنی وہ جانداروں کی ہستی اور انکے اعمال سے پہلے محض اپنے لطف سے نہ کسی غرض سے اور نہ کسی عمل کی پاداش میں انکے لیئے سامان راحت میسر کرتا ہے جیسا کہ آفتاب اور زمین اور دوسری تمام چیزوں کو ہمارے وجود اور ہمارے اعمال کے وجود سے پہلے ہمارے لیئے بنا دیا اس عطیہ کا نام خدا کی کتاب میں رحمانیت ہے اور اس کام کے لحاظ سے خدائے تعالیٰ رحمٰن کہلاتا ہے۔ اور پھر فرمایا کہ الرَّحِیْمُ یعنی وہ خدا نیک عملوں کی نیک تر جزا دیتا ہے اور کسی کی محنت کو ضائع نہیں کرتا اور اس کام کے لحاظ سے رحیم کہلاتا ہے اور یہ صفت رحیمیت کے نام سے موسوم ہے اور پھر فرمایا مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ یعنی وہ خدا ہر ایک کی جزا اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے اسکا کوئی ایسا کارپرداز نہیں جسکو اُس نے زمین آسمان کی حکومت سونپ دی ہو اور آپ الگ ہو بیٹھا ہو اور آپ کچھ نہ کرتا ہو وہی کارپرداز سب کچھ جزا سزا دیتا ہو یا آئندہ دینے والا ہو اور پھر فرمایا اَلْمَلِکُ الْقُدُّوْسُ یعنی وہ خدا بادشاہ ہے جسپر کوئی داغ عیب نہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ انسانی بادشاہت عیب سے خالی نہیں اگر مثلاً تمام رعیت جلاوطن ہو کر دوسرے ملک کی طرف بھاگ جاوے تو پھر بادشاہی قائم نہیں رہ سکتی یا اگر مثلاً تمام رعیت قحط زدہ ہو جائے تو پھر خراج شاہی کہاں سے آئے اور اگر رعیت کے لوگ اُس سے بحث شروع کر دیں کہ تجھ میں ہم سے زیادہ کیا ہے تو وہ کونسی لیاقت اپنی ثابت کرے پس خدائے تعالیٰ کی بادشاہی ایسی نہیں ہے وہ ایک دم میں تمام ملک کو فنا کر کے اور مخلوقات پیدا کر سکتا ہے اگر وہ ایسا خالق اور قادر نہ ہوتا تو پھر بجز ظلم کے اس کی بادشاہت چل نہ سکتی کیونکہ وہ دنیا کو ایک مرتبہ معافی اور نجات دیکر پھر دوسری دنیا کہاں سے لاتا کیا نجات یافتہ لوگوں کو دنیا میں بھیجنے کے

لیئے پھر پکڑتا اور ظلم کی راہ سے اپنی نجات دہی کو واپس لیتا تو اس صورت میں
اُس کی خدائی میں فرق آتا اور دنیا کے بادشاہوں کی طرح داغدار بادشاہ ہوتا جو دنیا
کے لیئے قانون بناتے ہیں بات بات میں بگڑتے ہیں اور اپنی خودغرضی کے وقتوں پر
جب دیکھتے ہیں کہ ظلم کے بغیر چارہ نہیں تو ظلم کو شیر مادر سمجھ لیتے ہیں۔ مثلاً قانون
شاہی جائز رکھتا ہے کہ ایک جہاز کو بچانے کے لیئے ایک کشتی کے سواروں کو تباہی
میں ڈالدیا جائے اور ہلاک کیا جائے مگر خدا کو تو یہ اضطرار پیش نہیں آنا چاہیئے
پس اگر خدا پورا قادر اور عدم سے پیدا کرنیوالا نہ ہوتا تو یا تو وہ کمزور راجوں کی
طرح قدرت کی جگہ ظلم سے کام لیتا اور یا عادل بنکر خدائی ہی کو الوداع کہتا
بلکہ خدا کا جہاز تمام قدرتوں کے ساتھ سچے انصاف پر چل رہا ہے۔ پھر فرمایا
اَلسَّلَامُ یعنی وہ خدا جو تمام عیبوں اور مصائب اور سختیوں سے محفوظ ہے بلکہ
سلامتی دینے والا ہے اس کے معنے بھی ظاہر ہیں کیونکہ اگر وہ آپ ہی مصیبتوں
میں پڑتا لوگوں کے ہاتھ سے مارا جاتا اور اپنے ارادوں میں ناکام رہتا تو پھر
اس بد نمونہ کو دیکھ کر کس طرح دل تسلی پکڑتے کہ ایسا خدا ہمیں ضرور مصیبتوں سے
چھڑا دیگا چنانچہ اللہ تعالیٰ باطل معبودوں کے بارہ میں فرماتا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ
تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَہٗ وَاِنْ
یَّسْلُبْہُمُ الذُّبَابُ شَیْئًا لَّا یَسْتَنْقِذُوْہُ مِنْہُ ضَعُفَ الطَّالِبُ
وَالْمَطْلُوْبُ مَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ اِنَّ اللّٰہَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ
الجزو نمبر ۱۷ - سورہ حج - جن لوگوں کو تم خدا بنائے بیٹھے ہو وہ تو ایسے ہیں کہ اگر سب
ملکر ایک مکھی پیدا کرنا چاہیں تو کبھی پیدا نہ کر سکیں اگرچہ ایکدوسرے کی مدد بھی
کریں بلکہ اگر مکھی انکی چیز چھینکر لیجائے تو انہیں طاقت نہیں ہوگی کہ وہ مکھی
سے چیز واپس لے سکیں انکے پرستار عقل کے کمزور اور وہ طاقت کے کمزور

ہیں کیا خدا ایسے ہوا کرتے ہیں خدا تو وہ ہے کہ سب قوتوں والوں سے زیادہ قوت والا اور سب پر غالب آنیوالا ہے نہ اُسکو کوئی پکڑ سکے نہ مار سکے ایسی غلطیوں میں جو لوگ پڑتے ہیں وہ خدا کی قدر نہیں پہچانتے اور نہیں جانتے خدا کیسا ہونا چاہیئے اور پھر فرمایا کہ خدا امن کا بخشنے والا اور اپنے کمالات اور توحید پر دلائل قائم کرنیوالا ہے یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ سچے خدا کا ماننے والا کسی مجلس میں شرمندہ نہیں ہو سکتا اور نہ خدا کے سامنے شرمندہ ہوگا کیونکہ اُس کے پاس زبردست دلائل ہوتے ہیں لیکن بناوٹی خدا کا ماننے والا بڑی مصیبت میں ہوتا ہے وہ بجائے دلائل بیان کرنیکے ہر ایک بیہودہ بات کو راز میں داخل کرتا ہے تا ہنسی نہ ہو اور ثابت شدہ غلطیوں کو چھپانا چاہتا ہے؛

اور پھر فرمایا کہ اَلْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ یعنی وہ سب کا محافظ ہے اور سب پر غالب اور بگڑے ہوئے کاموں کا بنانیوالا ہے اور اُسکی ذات نہایت ہی مستغنی ہے اور فرمایا هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی یعنی وہ ایسا خدا ہے کہ جسموں کا بھی پیدا کرنیوالا اور روحوں کا بھی پیدا کرنیوالا رحم میں تصویر کھینچنے والا ہے تمام نیک نام جہانتک خیال میں آسکیں سب اُسی کے نام ہیں اور پھر فرمایا يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ یعنی آسمان کے لوگ بھی اُس کے نام کو پاکی سے یاد کرتے ہیں اور زمین کے لوگ بھی۔ اس آیت میں اشارہ فرمایا کہ آسمانی اجرام میں آبادی ہے اور وہ لوگ بھی پابند خدا کی ہدایتوں کے ہیں اور پھر فرمایا عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ یعنی خدا بڑا قادر ہے یہ پرستاروں کے لیئے تسلی ہے کیونکہ اگر خدا عاجز ہو اور قادر نہ ہو تو ایسے خدا سے کیا امید رکھیں اور پھر فرمایا رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ یعنی وہی خدا ہے

جو تمام عالموں کا پرورش کرنیوالا رحمٰن رحیم اور جزا کے دن کا آپ مالک ہے اس اختیار کو کسی کے ہاتھ میں نہیں دیا ہر ایک پکارنیوالے کی پکار کو سننے والا اور جواب دینے والا یعنی دعاؤں کا قبول کرنیوالا اور پھر فرمایا الحیّ القیوم یعنی ہمیشہ رہنے والا اور تمام جانوں کی جان اور سب کے وجود کا سہارا یہ اس لیئے کہا کہ وہ ازلی ابدی نہ ہو تو اس زندگی کے بارے میں بھی دھڑکا رہیگا کہ شاید ہم سے پہلے فوت نہ ہو جائے اور پھر فرمایا کہ وہ خدا اکیلا خدا ہے نہ وہ کسی کا بیٹا اور نہ کوئی اُس کا بیٹا اور نہ کوئی اُس کے برابر اور نہ کوئی اُس کا ہمجنس ہے۔

اور یاد رہے کہ خدائے تعالیٰ کی توحید کو صحیح طور پر ماننا اور اس میں زیادت یا کمی نہ کرنا یہ وہ عدل ہے جو انسان اپنے مالک حقیقی کے حق میں بجالاتا ہے یہ تمام حصہ اخلاقی تعلیم کا ہے جو قرآن شریف کی تعلیم میں سے درج ہوا ہے اس میں اصول یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ نے تمام اخلاق کو افراط اور تفریط سے بچایا ہے اور ہر ایک خُلق کو اسی حالت میں خُلق کے نام سے موسوم کیا ہے کہ جب اپنی واقعی اور واجب حد سے کم و بیش نہ ہو یہ تو ظاہر ہے کہ نیکی حقیقی وہی چیز ہے جو دو حدوں کے وسط میں ہوتی ہے یعنی زیادتی اور کمی یا افراط اور تفریط کے درمیان ہوتی ہے ہر ایک عادت جو وسط کی طرف کھینچے اور وسط پر قائم کرے وہی خُلق فاضل کو پیدا کرتی ہے محل اور موقعہ کا پہچاننا ایک وسط ہے مثلاً اگر زمیندار اپنا تخم وقت سے پہلے بو دے یا وقت کے بعد دونوں صورتوں میں وہ وسط کو چھوڑتا ہے نیکی اور حق اور حکمت سب وسط میں ہے اور وسط موقعہ بینی ہیں یا یوں سمجھو کہ حق وہ چیز ہے کہ ہمیشہ دو متقابل باطلوں کے وسط میں ہوتا ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ عین موقعہ کا التزام ہمیشہ انسان کو وسط میں رکھتا ہے اور خدا شناسی کے بارے میں وسط کی شناخت یہ ہے کہ خدا کی صفات بیان کرنے میں نہ تو نفی صفات کے پہلو کی طرف جھک جائے اور نہ خدا کو جسمانی

چیزوں کا مشابہ قرار دے یہی طریق قرآن شریف نے صفات باری تعالیٰ میں اختیار کیا ہے چنانچہ وہ یہ بھی فرماتا ہے کہ خدا سنتا جانتا بولتا کلام کرتا ہے اور پھر مخلوق کی مشابہت سے بچانے کے لیئے یہ بھی فرماتا ہے لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ فَلَا تَضْرِبُوا لِلّٰهِ الْأَمْثَالَ یعنی خدا کی ذات اور صفات میں کوئی اُس کا شریک نہیں اُسکے لیئے مخلوق سے مثالیں مت دو سو خدا کی ذات کو تشبیہ اور تنزیہ کے بین بین رکھنا یہی وسط ہے غرض اسلام کی تعلیم میانہ روی کی تعلیم ہے سورہ فاتحہ بھی میانہ روی کی ہدایت فرماتی ہے کیونکہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ۝ مغضوب علیہم سے وہ لوگ مراد ہیں جو خدائے تعالیٰ کے مقابل پر قوت غضبی کو استعمال کرکے قویٰ سبعیہ کی پیروی کرتے ہیں اور ضالّین سے وہ مراد ہیں جو قویٰ بہیمیہ کی پیروی کرتے ہیں اور میانہ طریق وہ ہے جسکو لفظ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ سے یاد فرمایا ہے۔ غرض اس مبارک اُمّت کے لیئے قرآن شریف میں وسط کی ہدایت ہے توریت میں خدائے تعالیٰ ذوانتقام امور پر زور دیا تھا اور انجیل میں عفو اور درگذر پر زور دیا تھا اور اس اُمّت کو موقعہ شناسی اور وسط کی تعلیم ملی چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا ہم نے تمکو وسط پر عمل کرنیوالے بنایا اور وسط کی تعلیم تمھیں دی سو مبارک وہ جو وسط پر چلتے ہیں خَيْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُهَا ۔

تیسرا سوال یعنی یہ کہ روحانی حالتیں کیا ہیں۔ واضح رہے کہ ہم پہلے اس سے بیان کر چکے ہیں کہ بموجب ہدایت قرآن شریف کے روحانی حالتوں کا منبع اور سرچشمہ نفس مطمئنہ ہے جو انسان کو با اخلاق ہونیکے مرتبہ سے باخدا ہونیکے مرتبہ تک پہنچاتا ہے جیسا کہ اللہ جلشانہٗ فرماتا ہے يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي

تیسرا سوال روحانی حالتیں

جَنَّتِي ؀ یعنی اے نفس خدا کے ساتھ آرام یافتہ اپنے رب کی طرف واپس چلا آ
وہ تجھ سے راضی اور تو اُس سے راضی پس میرے بندوں میں داخل ہو جا اور میری
بہشت کے اندر آجا۔ اس جگہ بہتر ہے کہ ہم روحانی حالتوں کے بیان کرنیکے لیئے اس آیۃ
کریمہ کی تفسیر کسی قدر توضیح سے بیان کریں پس یاد رکھنا چاہیئے کہ اعلیٰ درجہ کی
روحانی حالت انسان کی اس دنیوی زندگی میں یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کے ساتھ
آرام پا جائے اور تمام اطمینان اور سرور اور لذّت اسکی خدا میں ہی ہو جائے یہی
وہ حالت ہے جسکو دوسرے لفظوں میں بہشتی زندگی کہا جاتا ہے اسحالتمیں انسان
اپنے کامل صدق اور صفا اور وفا کے بدلہ میں ایک نقد بہشت پالیتا ہے اور دوسرے
لوگوں کی بہشت موعود پر نظر ہوتی ہے اور یہ بہشت موجود میں داخل ہوتا ہے
اسی درجہ پر پہنچکر انسان سمجھتا ہے کہ وہ عبادت جس کا بوجھ اسکے سر پر ڈالا گیا
ہے درحقیقت وہی ایک ایسی غذا ہے جس سے اسکی روح نشو و نما پاتی ہے اور
جسپر اسکی روحانی زندگی کا بڑا بھاری مدار ہے اور اس کے نتیجہ کا حصول کسی دوسرے
جہان پر موقوف نہیں ہے اسی مقام پر یہ بات حاصل ہوتی ہے کہ وہ ساری
ملامتیں جو نفس لوّامہ انسان کا اسکی ناپاک زندگی پر کرتا ہے اور پھر بھی نیک
خواہشوں کو اچھی طرح اُبھار نہیں سکتا اور بُری خواہشوں سے حقیقی نفرت نہیں
دلا سکتا اور نہ نیکی پر ٹھہرنے کی پوری قدرت بخش سکتا ہے اُس پاک تحریک سے
بدل جاتی ہیں جو نفس مطمئنہ کے نشو و نما کا آغاز ہوتی ہے اور اس درجہ پہ پہنچکر
وقت آجاتا ہے کہ انسان پوری فلاح حاصل کرے اور اب تمام نفسانی جذبات
خودبخود افسردہ ہونے لگتے ہیں اور روح پر ایک ایسی طاقت افزا ہوا چلنے لگتی ہے
جس سے انسان پہلی کمزوریوں کو ندامت کی نظر سے دیکھتا ہے اُسوقت انسانی
سرشت پر ایک بھاری انقلاب آتا ہے اور عادات میں ایک تبدل عظیم پیدا ہوتا ہے

اور انسان اپنی پہلی حالتوں سے بہت ہی دور جا پڑتا ہے دھویا جاتا ہے اور صاف
کیا جاتا ہے اور خدا نیکی کی محبت کو اپنے ہاتھ سے اسکے دل میں لکھ دیتا ہے اور بدی کا
گند اپنے ہاتھ سے اس کے دل سے باہر پھینک دیتا ہے سچائی کی فوج سب کی سب
دل کے شہرستان میں آجاتی ہے اور فطرۃ کے تمام برجوں پر راستبازی کا قبضہ ہو جاتا
ہے اور حق کی فتح ہوتی ہے اور باطل بھاگ جاتا ہے اور اپنے ہتھیار پھینک دیتا
ہے۔ اس شخص کے دل پر خدا کا ہاتھ ہوتا ہے اور ہر ایک قدم خدا کے زیر سایہ چلتا ہے
چنانچہ خدائے تعالیٰ آیات ذیل میں انہیں امور کیطرف اشارہ فرماتا ہے اُولٰٓئِكَ كَتَبَ
فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ
وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ اُولٰٓئِكَ هُمُ
الرّٰشِدُوْنَ ۝ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝
جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝ یعنی
خدا نے مومنوں کے دل میں ایمان کو اپنے ہاتھ سے لکھ دیا ہے اور روح القدس کے
ساتھ انکی مدد کی اس نے اے مومنو! ایمان کو تمہارا محبوب بنا دیا اور اس کا حسن
وجمال تمہارے دل میں بٹھا دیا اور کفر اور بدکاری اور معصیت سے تمہارے دل کو
نفرت دیدی اور بری راہوں کا مکروہ ہونا تمہارے دل میں جما دیا یہ سب کچھ خدا
کے فضل اور رحمت سے ہوا حق آیا اور باطل بھاگ گیا اور باطل کب حق کے
مقابل ٹھہر سکتا تھا۔ غرض یہ تمام اشارات اس روحانی حالت کی طرف ہیں جو تیسرے
درجہ پر انسان کو حاصل ہوتی ہے اور سچی بینائی انسان کو کبھی نہیں مل سکتی جب تک
یہ حالت اسکو حاصل نہ ہو اور یہ جو خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے ایمان ان کے دل
میں اپنے ہاتھ سے لکھا اور روح القدس سے انکی مدد کی یہ اس بات کی طرف اشارہ
ہے کہ انسان کو سچی طہارت اور پاکیزگی کبھی حاصل نہیں ہو سکتی جبتک آسمانی مدد

اسکے شامل حال نہ ہو نفس لوامہ کے مرتبہ پر انسان کا یہ حال ہوتا ہے کہ بار بار توبہ کرتا اور بار بار گرتا ہے بلکہ بسا اوقات اپنی صلاحیت سے ناامید ہو جاتا ہے اور اپنے مرض کو ناقابل علاج سمجھ لیتا ہے اور ایک مدت تک ایسا ہی رہتا ہے اور پھر جب وقت مقدر پورا ہو جاتا ہے تو رات یا دن کو یکدفعہ ایک نور اس پر نازل ہوتا ہے اور اس نور میں الٰہی قوت ہوتی ہے اس نور کے نازل ہونیکے ساتھ ہی ایک عجیب تبدیلی اسکے اندر پیدا ہو جاتی ہے اور غیبی ہاتھ کا ایک قوی تصرف محسوس ہوتا ہے اور ایک عجیب عالم سامنے آ جاتا ہے اسوقت انسان کو پتہ لگتا ہے کہ خدا ہے اور آنکھوں میں وہ نور آ جاتا ہے جو پہلے نہیں تھا لیکن اس راہ کو کیونکر حاصل کریں اور اس روشنی کو کیونکر پاویں۔ سو جاننا چاہیئے کہ اس دنیا میں جو دارالاسباب ہے ہر ایک معلول کے لیئے ایک علت ہے اور ہر ایک حرکت کے لیئے ایک محرک ہے اور ہر ایک علم حاصل کرنیکے لیئے ایک راہ ہے جسکو صراط مستقیم کہتے ہیں دنیا میں کوئی بھی ایسی چیز نہیں جو بغیر پابندی ان قواعد کے مل سکے جو قدرت نے ابتدا سے اسکے لیئے مقرر کر رکھے ہیں قانون قدرت بتلا رہا ہے کہ ہر ایک چیز کے حصول کے لیئے ایک صراط مستقیم ہے اور اسکا حصول اسی پر قدرتاً موقوف ہے مثلاً اگر ہم ایک اندھیری کوٹھڑی میں بیٹھے ہوں اور آفتاب کی روشنی کی ضرورت ہو تو ہمارے لیئے یہ صراط مستقیم ہے کہ ہم اس کھڑکی کو کھول دیں جو آفتاب کی طرف ہے تب یکدفعہ آفتاب کی روشنی اندر آ کر ہمیں منور کر دے گی سو ظاہر ہے کہ اسی طرح خدا کے سچے اور واقعی فیوض پانیکے لیئے بھی کوئی کھڑکی اور پاک روحانیت کے حاصل کرنے کیلیئے کوئی خاص طریق ہوگا اور وہ یہ ہے کہ روحانی امور کے لیئے صراط مستقیم کی تلاش کریں جیسا کہ ہم اپنی زندگی کے تمام امور میں اپنی کامیابیوں کے لیئے

صراط مستقیم کی تلاش کرتے رہتے ہیں مگر کیا وہ یہ طریق ہے کہ ہم صرف اپنی ہی عقل کے زور سے اور اپنی ہی خود تراشیدہ باتوں سے خدا کے وصال کو ڈھونڈیں کیا محض ہماری ہی اپنی منطق اور فلسفہ سے اسکے وہ دروازے ہم پر کھلتے ہیں جنکا کھلنا اُس کے قوی ہاتھ پر موقوف ہے یقیناً سمجھو کہ یہ بالکل صحیح نہیں ہے ہم اُس حيّ وقیّوم کو محض اپنی ہی تدبیروں سے ہرگز نہیں پا سکتے بلکہ اس راہ میں صراط مستقیم صرف یہ ہے کہ پہلے ہم اپنی زندگی مع اپنی تمام قوتوں کے خدائے تعالیٰ کی راہ میں وقف کرکے پھر خدا کے وصال کے لئے دعا میں لگے رہیں تا خدا کو خدا ہی کے ذریعہ سے پاویں اور سب سے زیادہ پیاری دعا جو عین محل اور موقعہ سوال کا ہمیں سکھاتی ہے اور فطرت کے روحانی جوش کا نقشہ ہمارے سامنے رکھتی ہے وہ دعا ہے جو خدائے کریم نے اپنی پاک کتاب قرآن شریف میں یعنی سورہ فاتحہ میں ہمیں سکھائی ہے اور وہ یہ ہے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ تمام پاک تعریفیں جو ہو سکتی ہیں اُس اللہ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پیدا کرنیوالا اور قائم رکھنے والا ہے اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وہی خدا جو ہمارے اعمال سے پہلے ہمارے لئے رحمت کا سامان میسر کرنیوالا ہے اور ہمارے اعمال کے بعد رحمت کے ساتھ جزا دینے والا ہے مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ وہ خدا جو جزا کے دن کا وہی ایک مالک ہے کسی اور کو وہ دن نہیں سونپا گیا اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ اے وہ جو ان تعریفوں کا جامع ہے ہم تیری ہی پرستش کرتے ہیں اور ہم ہر ایک کام میں توفیق تجھ ہی سے چاہتے ہیں اسجگہ ہم کے لفظ سے پرستش کا اقرار کرنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ہمارے تمام قویٰ تیری پرستش میں لگے ہوئے ہیں اور تیری آستانہ پر جھکے ہوئے ہیں کیونکہ انسان باعتبار اپنے اندرونی قویٰ کے ایک جماعت اور ایک اُمّت ہے اور اس طرح پر تمام قویٰ کا خدا کو سجدہ کرنا یہی وہ حالت ہے جسکو اسلام

کہتے ہیں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ہمیں اپنی سیدھی راہ دکھا اور اسپر ثابت قدم کرکے اُن لوگوں کی راہ دکھلا جنپر تیرا انعام و اکرام ہے اور تیرے مورد فضل و کرم ہوگئے ہیں غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ اور ہمیں اُن لوگوں کی راہوں سے بچا جنپر تیرا غضب ہے اور جو تجھ تک نہیں پہنچ سکے اور راہ کو بھول گئے آمین اے خدا ایسا ہی کر۔ یہ آیات سمجھا رہی ہیں کہ خدائے تعالیٰ کے انعامات جو دوسرے لفظوں میں فیوض کہلاتے ہیں انہی پر نازل ہوتے ہیں جو اپنی زندگی کی خدا کی راہ میں قربانی دیکر اور اپنا تمام وجود اُسکی راہ میں وقف کرکے اور اُسکی رضا میں محو ہوکر پھر اس وجہ سے دعا میں لگے رہتے ہیں کہ تا جو کچھ انسان کو روحانی نعمتوں اور خدا کے قرب اور وصال اور اُس کے مکالمات اور مخاطبات میں سے مل سکتا ہے وہ سب انکو ملے اور اس دعا کے ساتھ اپنے تمام قویٰ سے عبادت بجا لاتے ہیں اور گناہ سے پرہیز کرتے اور آستانہ الٰہی پر پڑے رہتے ہیں اور جہانتک انکے لئے ممکن ہے اپنے تئیں بدی سے بچاتے ہیں اور غضب الٰہی کی راہوں سے دور رہتے ہیں سو چونکہ وہ ایک اعلیٰ ہمت اور صدق کے ساتھ خدا کو ڈھونڈتے ہیں اسلیئے اُسکو پالیتے ہیں اور خدائے تعالیٰ کی پاک معرفت کے پیالوں سے سیراب کیئے جاتے ہیں۔

اس آیت میں جو استقامت کا ذکر فرمایا یہ اسبات کی طرف اشارہ ہے کہ سچا اور کامل فیض جو روحانی عالم تک پہنچاتا ہے کامل استقامت سے وابستہ ہے اور کامل استقامت سے مراد ایک ایسی حالت صدق و وفا ہے جس کو کوئی امتحان ضرر نہ پہنچا سکے یعنی ایسا پیوند ہو جسکو نہ تلوار کاٹ سکے نہ آگ جلا سکے اور نہ کوئی دوسری آفت نقصان پہنچا سکے عزیزوں کی موتیں اس سے علیحدہ نہ کرسکیں پیاروں کی جدائی اس میں خلل انداز نہ ہوسکے بے آبروئی کا خوف کچھ رعب نہ ڈال سکے ہولناک

دکھوں سے مارا جانا ایک ذرہ دلکو نہ ڈرا سکے سو یہ دروازہ بہت تنگ ہے اور یہ راہ نہایت دشوار گذار ہے کسقدر مشکل ہے آہ صد آہ اسی کی طرف اللہ جلشانہٗ ان آیات میں اشارہ فرماتا ہے قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآءُکُمْ وَاَبْنَآءُکُمْ وَاِخْوَانُکُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ وَعَشِیْرَتُکُمْ وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَهَا وَمَسٰکِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ۝ یعنی انکو کہدے کہ اگر تمھارے باپ اور تمھارے بیٹے اور تمھارے بھائی اور تمھاری عورتیں اور تمھاری برادری اور تمھارے وہ مال جو تم نے محنت سے کمائے ہیں اور تمھاری سوداگری جس کے بند ہونے کا تمھیں خوف ہے اور تمھاری حویلیاں جو تمھارے دلپسند ہیں خدا سے اور اُس کے رسول سے اور خدا کی راہ میں اپنی جانوں کو لڑانے سے زیادہ پیارے ہیں تو تم اُسوقت تک منتظر رہو کہ جبتک خدا اپنا حکم ظاہر کرے اور خدا بدکاروں کو کبھی اپنی راہ نہیں دکھائے گا ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو لوگ خدا کی مرضی کو چھوڑ کر اپنے عزیزوں اور اپنے مالوں سے پیار کرتے ہیں وہ خدا کی نظر میں بدکار ہیں وہ ضرور ہلاک ہوں گے کیونکہ انھوں نے غیر کو خدا پر مقدم رکھا یہی وہ تیسرا مرتبہ ہے جس میں وہ شخص باخدا بنتا ہے جو اُس کے لیئے ہزاروں بلائیں خرید لے اور خدا کی طرف ایسے صدق اور اخلاص سے جُھک جائے کہ خدا کے سوا کوئی اُسکا نہ رہے گویا سب مر گئے پس سچ تو یہ ہے کہ جبتک ہم خود نہ مریں زندہ خدا نظر نہیں آسکتا خدا کے ظہور کا دن وہی ہوتا ہے کہ جب ہماری جسمانی زندگی پر موت آوے ہم اندھے ہیں جبتک غیر کے دیکھنے سے اندھے نہ ہو جائیں ہم مردہ ہیں جبتک خدا کے ہاتھ میں مردہ کی طرح نہ ہو جائیں جب ہمارا مُنہ ٹھیک ٹھیک اُسکے

محاذات میں پڑیگا تب وہ واقعی استقامت جو تمام نفسانی جذبات پر غالب آتی ہے ہمیں حاصل ہو گی اس سے پہلے نہیں اور یہی وہ استقامت ہے جس سے نفسانی زندگی پر موت آجاتی ہے ہماری استقامت یہ ہے کہ جیسا کہ وہ فرماتا ہے کہ بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ یعنی یہ کہ قربانی کی طرح میرے آگے گردن رکھدو ایسا ہی ہم اسوقت درجہ استقامت حاصل کرینگے کہ جب ہمارے وجود کے تمام پرزے اور ہمارے نفس کی تمام قوتیں اسی کام میں لگ جائیں اور ہماری موت اور ہماری زندگی اسی کے لیئے ہو جائے جیسا کہ وہ فرماتا ہے قُلْ اِنَّ صَلٰوتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ یعنی کہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا زندہ رہنا اور میرا مرنا سب خدا کے لیئے ہے اور جب انسان کی محبت خدا کے ساتھ اس درجہ تک پہنچ جائے کہ اس کا مرنا اور جینا اپنے لیئے نہیں بلکہ خدا ہی کے لیئے ہو جائے تب خدا جو ہمیشہ سے پیار کرنیوالوں کے ساتھ پیار کرتا آیا ہے اپنی محبت کو اسپر اتارتا ہے اور ان دونوں محبتوں کے ملنے سے انسان کے اندر ایک نور پیدا ہوتا ہے جسکو دنیا نہیں پہچانتی اور نہ سمجھ سکتی ہے اور ہزاروں صدیقوں اور برگزیدوں کا اسی لیئے خون ہوا کہ دنیا نے انکو نہیں پہچانا وہ اسی لیئے مکار اور خود غرض کہلائے کہ دنیا انکے نورانی چہرہ کو دیکھ نہ سکی جیسا کہ فرماتا ہے يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ یعنی وہ جو منکر ہیں تیری طرف دیکھتے تو ہیں مگر تو نظر انہیں نہیں آتا غرض جب وہ نور پیدا ہوتا ہے تو اس نور کی پیدائش کے دن سے ایک زمینی شخص آسمانی ہو جاتا ہے وہ جو ہر ایک وجود کا مالک ہے اس کے اندر بولتا ہے اور اپنی الوہیت کی چمکیں دکھلاتا ہے اور اس کے دل کو کہ جو پاک محبت سے بھرا ہوا ہے اپنا تخت گاہ بناتا ہے اور جب ہی سے کہ یہ شخص ایک نورانی تبدیلی پاکر ایک نیا آدمی ہو جاتا ہے وہ اسکے لیئے ایک نیا خدا ہو جاتا ہے اور نئی عادتیں اور سنتیں ظہور میں لاتا ہے یہ نہیں کہ وہ نیا خدا ہے یا

عادتیں نئی ہیں مگر خدا کی عام عادتوں سے وہ الگ عادتیں ہوتی ہیں جو دنیا کا فلسفہ انسے آشنا نہیں اور یہ شخص جیسا کہ اللہ جلشانہ نے فرمایا ہے وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ ۔ یعنی انسانوں میں وہ اعلیٰ درجہ کے انسان ہیں جو خدا کی رضا میں کھوئے جاتے ہیں وہ اپنی جان بیچتے ہیں اور خدا کی مرضی کو مول لیتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جنپر خدا کی رحمت ہے ایسا ہی وہ شخص جو روحانی حالت کے مرتبہ تک پہنچ گیا ہے خدا کی راہ میں فدا ہو جاتا ہے خدائے تعالیٰ اس آیت میں فرماتا ہے کہ تمام دکھوں سے وہ شخص نجات پاتا ہے جو میری راہ میں اور میری رضا کی راہ میں جان کو بیچدیتا ہے اور جانفشانی کے ساتھ اپنی اس حالت کا ثبوت دیتا ہے کہ وہ خدا کا ہے اور اپنے تمام وجود کو ایک ایسی چیز سمجھتا ہے جو طاعت خالق اور خدمت مخلوق کے لئے بنائی گئی ہے اور پھر حقیقی نیکیاں جو ہر ایک قوت سے متعلق ہیں ایسے شوق وذوق وحضور دل سے بجالاتا ہے کہ گویا وہ اپنی فرمانبرداری کے آئینہ میں اپنے محبوب حقیقی کو دیکھ رہا ہے اور ارادہ اس کا خدائے تعالیٰ کے ارادہ سے ہمرنگ ہو جاتا ہے اور تمام عزت اسکی فرمانبرداری میں ٹھہر جاتی ہے اور تمام اعمال صالحہ نہ مشقت کی راہ سے بلکہ تلذذ اور احتظاظ کی کشش سے ظاہر ہونے لگتے ہیں وہ نقد بہشت ہے جو روحانی انسان کو ملتا ہے اور وہ بہشت جو آئندہ ملیگا وہ درحقیقت اسی کی اظلال و آثار ہے جس کو دوسرے عالم میں قدرت خداوندی جسمانی طور پر متمثل کر کے دکھائیگی اسی کی طرف اشارہ ہے وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۔ وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ۔ اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ۔ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ۔ يُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا ۔ عَيْنًا فِيْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا ۔ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ

سَلْسِلَ وَاَغْلٰلًا وَّسَعِيْرًاه وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا یعنی جو شخص خدائے تعالیٰ سے خائف ہے اور اُس کی عظمت وجلال کے مرتبہ سے ہراساں ہے اُس کے لیئے دو بہشت ہیں ایک یہی دنیا اور دوسری آخرت اور ایسے لوگ جو خدا میں محو ہیں خدا نے انکو وہ شربت پلایا ہے جس سے انکے دل اور خیالات اور ارادات کو پاک کر دیا نیک بندے وہ شربت پی رہے ہیں جس کی ملونی کافور ہے وہ اُس چشمہ سے پیتے ہیں جسکو وہ آپ ہی چیرتے ہیں اور میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں کہ کافور کا لفظ اسواسطے اس آیت میں اختیار فرمایا گیا ہے کہ لُغت عرب میں کفر دبانیکو اور ڈھانکنے کو کہتے ہیں سو یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انہوں نے ایسے خلوص سے انقطاع اور رجوع الی اللہ کا پیالہ پیا ہے کہ دنیا کی محبت بالکل ٹھنڈی ہوگئی ہے یہ قاعدہ کی بات ہے کہ تمام جذبات دل کے خیال سے ہی پیدا ہوتے ہیں اور جب دل نالائق خیالات سے بہت ہی دُور چلا جائے اور کچھ تعلقات انسے باقی نہ رہیں تو وہ جذبات بھی آہستہ آہستہ کم ہونے لگتے ہیں یہانتک کہ نابود ہو جاتے ہیں سو اسجگہ خدائے تعالیٰ کی یہی غرض ہے اور وہ اس آیت میں یہی سمجھاتا ہے کہ جو اُسکی طرف کامل طور سے جُھک گئے وہ نفسانی جذبات سے بہت ہی دُور نکل گئے ہیں اور ایسے خدا کی طرف جُھک گئے کہ دنیا کی سرگرمیوں سے انکے دل ٹھنڈے ہو گئے اور انکے جذبات ایسے دب گئے جیسا کہ کافور زہریلے مادوں کو دبا دیتا ہے اور پھر فرمایا کہ وہ لوگ اس کافوری پیالہ کے بعد وہ پیالے پیتے ہیں جنکی ملونی زنجبیل ہے اب جاننا چاہیئے کہ زنجبیل دو لفظوں سے مرکب ہے یعنی زَنَاء اور جَبَل سے اور زَنَاء لُغت عرب میں اوپر چڑھنے کو کہتے ہیں اور جَبَل پہاڑ کو اسکے ترکیبی معنے یہ ہیں کہ پہاڑ پر چڑھ گیا اب جاننا چاہیئے کہ

انسان پر ایک زہریلی بیماری کے فرو ہونیکے بعد اعلیٰ درجہ کی صحت تک دو حالتیں آتی ہیں ایک وہ حالت جبکہ زہریلے مواد کا جوش بکلی جاتا رہتا ہے اور خطرناک مادوں کا جوش رو باصلاح ہو جاتا ہے اور سمی کیفیات کا حملہ بخیر و عافیت گذر جاتا ہے اور ایک مہلک طوفان جو اٹھا تھا نیچے دب جاتا ہے لیکن ہنوز اعضا میں کمزوری باقی ہوتی ہے کوئی طاقت کا کام نہیں ہو سکتا ابھی مردہ کی طرح افتاں و خیزاں چلتا ہے اور دوسری وہ حالت ہے کہ جب اصلی صحت عود کر آتی اور بدن میں طاقت بھر جاتی ہے اور قوت کے بحال ہونے سے یہ حوصلہ پیدا ہو جاتا ہے کہ بلا تکلف پہاڑ کے اوپر چڑھ جائے اور نشاط خاطر سے اونچی گھاٹیوں پر دوڑتا چلا جائے سو سلوک کے تیسرے مرتبہ میں یہ حالت میسر آتی ہے ایسی حالت کی نسبت اللہ تعالیٰ آیت موصوفہ میں اشارہ فرماتا ہے کہ انتہائی درجہ کے باخدا لوگ وہ پیالے پیتے ہیں جن میں زنجبیل ملی ہوئی ہے یعنی وہ روحانی حالت کی پوری قوت پاکر بڑی بڑی گھاٹیوں پر چڑھ جاتے ہیں اور بڑے مشکل کام انکے ہاتھ سے انجام پذیر ہوتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی راہ میں حیرتناک جانفشانیاں دکھلاتے ہیں ۔

اسجگہ یہ بھی واضح رہے کہ علم طب کی رو سے زنجبیل وہ دوا ہے جس کو ہندی میں سونٹھ کہتے ہیں وہ حرارت غریزی کو بہت قوت دیتی ہے اور دستوں کو بند کرتی ہے اور اس کا زنجبیل اسیواسطے نام رکھا گیا ہے کہ گویا وہ کمزور کو ایسا قوی کرتی ہے اور ایسی گرمی پہنچاتی ہے جس سے وہ پہاڑوں پر چڑھ سکے ان متقابل آیتوں کے پیش کرنے سے جنمیں ایک جگہ کافور کا ذکر ہے اور ایک جگہ زنجبیل کا۔ خدائے تعالیٰ کی یہ غرض ہے کہ تا اپنے بندوں کو سمجھائے کہ جب انسان جذبات نفسانی سے نیکی کی طرف حرکت کرتا ہے تو پہلے پہل اس حرکت کے بعد

یہ حالت پیدا ہوتی ہے کہ اسکے زہریلے مواد نیچے دبائے جاتے ہیں اور نفسانی جذبات رو بکمی ہونے لگتے ہیں جیسا کہ کافور زہریلے مواد کو دبا لیتا ہے اسی لیئے وہ ہیضہ اور محرقہ تپوں میں مفید ہے اور پھر جب زہریلے مواد کا جوش بالکل جاتا رہے اور ایک کمزور صحت جو ضعف کے ساتھ ملی ہوئی ہوتی ہے حاصل ہو جائے تو پھر دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ وہ ضعیف بیمار زنجبیل کے شربت سے قوت پاتا ہے اور زنجبیلی شربت خدائے تعالیٰ کے حسن وجمال کی تجلی ہے جو روح کی غذا ہے جب اس تجلی سے انسان قوت پکڑتا ہے تو پھر بلند اور اونچی گھاٹیوں پر چڑھنے کے لائق ہو جاتا ہے اور خدائے تعالیٰ کی راہ میں ایسی حیرت ناک سختی کے کام دکھلاتا ہے کہ جبتک یہ عاشقانہ گرمی کسی کے دل میں نہ ہو ہرگز ایسے کام دکھلا نہیں سکتا سو خدائے تعالیٰ نے اسجگہ ان دو حالتوں کے سمجھانیکے لیئے عربی زبان کے دو لفظوں سے کام لیا ہے ایک کافور سے جو نیچے دبانیوالے کو کہتے ہیں اور دوسرے زنجبیل سے جو اوپر چڑھنے والے کو کہتے ہیں اور اس راہ میں یہی دو حالتیں سالکوں کے لیئے واقعہ ہیں باقی حصہ آیت کا یہ ہے اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ سَلٰسِلَ وَاَغْلٰلًا وَّسَعِیْرًا۝ یعنی ہم نے منکروں کے لیئے جو سچائی کو قبول کرنا نہیں چاہتے زنجیریں طیار کر دی ہیں اور طوق گردن اور ایک افروختہ آگ کی سوزش۔ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ سچے دل سے خدائے تعالیٰ کو نہیں ڈھونڈتے اُنپر خدا کی طرف سے رجعت پڑتی ہے وہ دنیا کی گرفتاریوں میں ایسے مبتلا رہتے ہیں کہ گویا پابزنجیر ہیں اور زمینی کاموں میں ایسے نگونسار ہوتے ہیں کہ گویا انکی گردن میں ایک طوق ہے جو انکو آسمان کی طرف سر نہیں اُٹھانے دیتا اور ان کے دلوں میں حرص وہوا کی ایک سوزش لگی ہوئی ہوتی ہے کہ یہ مال حاصل ہو جائے اور یہ جائداد ملجائے اور فلاں ملک ہمارے

قبضہ میں آجائے اور فلاں دشمن پر ہم فتح پاجائیں اسقدر روپیہ ہو اتنی دولت ہو سو چونکہ خدائے تعالیٰ انکو نالائق دیکھتا ہے اور بُرے کاموں میں مشغول پاتا ہے اس لیئے یہ تینوں بلائیں انکو لگا دیتا ہے اور اسجگہ اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جب انسان سے کوئی فعل صادر ہوتا ہے تو اسی کے مطابق خدا بھی اپنی طرف سے ایک فعل صادر کرتا ہے مثلاً انسان جسوقت اپنی کوٹھڑی کے تمام دروازوں کو بند کردے تو انسان کے اس فعل کے بعد خدائے تعالیٰ کا یہ فعل ہوگا کہ وہ اُس کوٹھڑی میں اندھیرا پیدا کرے گا کیونکہ جو امور خدائے تعالیٰ کے قانون قدرت میں ہمارے کاموں کے لیئے بطور ایک نتیجہ لازمی کے مقدر ہو چکے ہیں وہ سب خدائے تعالیٰ کے فعل ہیں وجہ یہ کہ وہی علت العلل ہے ایسا ہی اگر مثلاً کوئی شخص زہر قاتل کھالے تو اسکے اس فعل کے بعد خدائے تعالیٰ کا یہ فعل صادر ہوگا کہ اسے ہلاک کردیگا ایسا ہی اگر کوئی ایسا بیجا فعل کرے جو کسی متعدی بیماری کا موجب ہو تو اس کے اس فعل کے بعد خدائے تعالیٰ کا یہ فعل ہوگا کہ وہ متعدی بیماری اسکو پکڑ لے گی۔ پس جسطرح ہماری دنیوی زندگی میں صریح نظر آتا ہے کہ ہمارے ہر ایک فعل کے لیئے ایک ضروری نتیجہ ہے اور وہ نتیجہ خدائے تعالیٰ کا فعل ہے ایسا ہی دین کے متعلق بھی یہی قانون ہے جیسا کہ خدائے تعالیٰ ان دو مثالوں میں صاف فرماتا ہے اَلَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ یعنی جو لوگ اس فعل کو بجالائے کہ انہوں نے خدائے تعالیٰ کی جستجو میں پوری پوری کوشش کی تو اس فعل کے لیئے لازمی طور پر ہمارا یہ فعل ہوگا کہ ہم انکو اپنی راہ دکھادینگے اور جن لوگوں نے کجی اختیار کی اور سیدھی راہ پر چلنا نہ چاہا تو ہمارا فعل انکی نسبت ہوگا کہ ہم انکے دلوں کو کج کردینگے اور پھر اسحالت کو زیادہ توضیح دینے کے لیئے فرمایا مَنْ کَانَ فِیْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰی فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰی وَاَضَلُّ سَبِیْلًا یعنی جو شخص اس جہان میں اندھا ہا وہ آنیوالے جہان میں

بھی اندھا ہی ہوگا بلکہ اندھوں سے بدتر یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نیک بندوں کو خدا کا دیدار اسی جہان میں ہو جاتا ہے اور وہ اسی جگ میں اپنے اس پیارے کا درشن پا لیتے ہیں جسکے لئے وہ سب کچھ کھوتے ہیں غرض مفہوم اس آیت کا یہی ہے کہ بہشتی زندگی کی بنیاد اسی جہان سے پڑتی ہے اور جہنمی نابینائی کی جڑھ بھی اسی جہان کی گندہ اور کورانہ زیست ہے اور پھر فرمایا وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ یعنی جو لوگ ایمان لاتے اور اچھے عمل بجا لاتے ہیں وہ اُن باغوں کے وارث ہیں جنکے نیچے نہریں بہ رہی ہیں اس آیت میں خدائے تعالیٰ نے ایمان کو باغ کے ساتھ مشابہت دی جس کے نیچے نہریں بہتی ہیں پس واضح رہے کہ اسجگہ ایک اعلیٰ درجہ کی فلاسفی کے رنگ میں بتلایا گیا ہے کہ جو رشتہ نہروں کا باغ کے ساتھ ہے وہی رشتہ اعمال کا ایمان کے ساتھ ہے پس جیسا کہ کوئی باغ بغیر پانی کے سرسبز نہیں رہ سکتا ایسا ہی کوئی ایمان بغیر نیک کاموں کے زندہ ایمان نہیں کہلا سکتا اگر ایمان ہو اور اعمال نہ ہوں تو وہ ایمان ہیچ ہے اور اگر اعمال ہوں اور ایمان نہ ہو تو وہ اعمال ریاکاری ہیں اسلامی بہشت کی یہی حقیقت ہے کہ وہ اس دنیا کے ایمان اور عمل کا ایک ظل ہے وہ کوئی نئی چیز نہیں جو باہر سے آکر انسان کو ملیگی بلکہ انسان کی بہشت انسان کے اندر ہی سے نکلتی ہے اور ہر ایک کی بہشت اسی کا ایمان اور اسی کے اعمال صالحہ ہیں جن کی اسی دنیا میں لذت شروع ہو جاتی ہے اور پوشیدہ طور پر ایمان اور اعمال کے باغ نظر آتے ہیں اور نہریں بھی دکھائی دیتی ہیں لیکن عالم آخرت میں یہی باغ کھلے طور پر محسوس ہونگے خدا کی پاک تعلیم ہمیں یہی بتلاتی ہے کہ سچا اور پاک اور مستحکم اور کامل ایمان جو خدا اور اُسکے ارادوں کے متعلق ہو وہ بہشت خوشنما اور بار دار درخت ہے اور اعمال صالحہ

اس بہشت کی نہریں ہیں جیسا کہ وہ فرماتا ہے ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ یعنی وہ ایمانی کلمہ جو ہر ایک افراط تفریط اور نقص اور خلل اور کذب اور ہزل سے پاک اور من کل الوجوہ کامل ہو اُس درخت کے ساتھ مشابہ ہے جو ہر ایک عیب سے پاک ہو جسکی جڑھ زمین میں قائم اور شاخیں آسمان میں ہوں اور اپنے پھل کو ہمیشہ دیتا ہو اور کوئی وقت اُس پر نہیں آتا کہ اسکی شاخوں میں پھل نہ ہوں۔ اس بیان میں خدائے تعالیٰ نے ایمانی کلمہ کو ہمیشہ پھلدار درخت سے مشابہت دیکر تین علامتیں اسکی بیان فرمائیں (۱) اول یہ کہ جڑھ اس کی جو اصل مفہوم سے مراد ہے انسان کے دل کی زمین میں ثابت ہو یعنی انسانی فطرت اور انسانی کانشنس نے اسکی حقانیت اور اصلیت کو قبول کرلیا ہو (۲) دوسری علامت یہ کہ اس کلمہ کی شاخیں آسمان میں ہوں یعنی معقولیت اپنے ساتھ رکھتا ہو اور آسمانی قانون قدرت جو خدا کا فعل ہے اُس فعل کے مطابق ہو مطلب یہ کہ اس کی صحت اور اصلیت کے دلائل قانون قدرت سے مستنبط ہو سکتے ہوں اور نیز یہ کہ وہ دلائل ایسے اعلیٰ ہوں کہ گویا آسمان میں ہیں جن تک اعتراض کا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا (۳) تیسری علامت یہ ہے کہ وہ پھل جو کھانے کے لائق ہے دائمی اور غیر منقطع ہو یعنی عملی مزاولت کے بعد اسکی برکات و تاثیرات ہمیشہ اور ہر زمانہ میں مشہود اور محسوس ہوتی ہوں یہ نہیں کہ کسی خاص زمانہ تک ظاہر ہو کر پھر آگے بند ہو جائیں اور پھر فرمایا مَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ ۨاجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ یعنی پلید کلمہ اس درخت کے ساتھ مشابہ ہے جو زمین میں سے اُکھڑا ہوا ہو یعنی

فطرت انسانی اُسکو قبول نہیں کرتی اور کسی طور سے قرار نہیں پکڑتا نہ دلائل عقلیہ کے رو سے نہ قانون قدرت کی رو سے صرف قصہ اور کہانی کے رنگ میں ہوتا ہے اور جیسا کہ قرآن شریف نے عالم آخرت میں ایمان کے پاک درختوں کو انگور اور انار اور عمدہ عمدہ میووں سے مشابہت دی ہے اور بیان فرمایا ہے کہ اُس روز وہ اُن میووں کی صورت میں متمثل ہونگے اور دکھائی دینگے ایسا ہی بے ایمانی کے خبیث درخت کا نام عالم آخرت میں زقوم رکھا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْٓ اَصْلِ الْجَحِيْمِ طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ اِنَّ شَجَرَةَ الزَّقُّوْمِ طَعَامُ الْاَثِيْمِ كَالْمُهْلِ يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ یعنی تم بتلاؤ کہ بہشت کے باغ اچھے ہیں یا زقوم کا درخت جو ظالموں کے لیئے ایک بلا ہے وہ ایک درخت ہے جو جہنم کی جڑھ میں سے نکلتا ہے یعنی تکبر اور خود بینی سے پیدا ہوتا ہے یہی دوزخ کی جڑھ ہے اس کا شگوفہ ایسا ہے جیسا کہ شیطان کا سر شیطان کے معنے ہیں ہلاک ہونے والا یہ لفظ شیط سے نکلا ہے پس حاصل کلام یہ ہے کہ اسکا کھانا ہلاک ہونا ہے اور پھر فرمایا کہ زقوم کا درخت ان دوزخیوں کا کھانا ہے جو عمداً گناہ کو اختیار کر لیتے ہیں وہ کھانا ایسا ہے جیسا کہ تانبا گلا ہوا کھولتے ہوئے پانی کی طرح پیٹ میں جوش مارنے والا پھر دوزخی کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ اس درخت کو چکھہ تو عزت والا اور بزرگ ہے۔ یہ کلام نہایت غضب کا ہے اسکا ماحصل یہ ہے کہ اگر تو تکبر نہ کرتا اور اپنی بزرگی اور عزت کا پاس کر کے حق سے مُنہ نہ پھیرتا تو آج یہ تلخیاں تجھے اُٹھانی نہ پڑتیں یہ آیت اس بات کی طرف بھی

اشارہ کرتی ہے کہ دراصل یہ لفظ زقوم کا ذُق اور اَمْ سے مرکب ہے اور اَمْ
اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ کا ملخص ہے جس میں ایک حرف پہلے کا اور
ایک حرف آخر کا موجود ہے اور کثرت استعمال نے ذال کو زا کے ساتھ بدل دیا
ہے اب حاصل کلام یہ ہے کہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اسی دنیا کے ایمانی کلمات کو
بہشت کے ساتھ مشابہت دی ہے ایسا ہی اسی دنیا کے بے ایمانی کے
کلمات کو زقوم کے ساتھ مشابہت دی اور اسکو دوزخ کا درخت ٹھہرایا اور
ظاہر فرمادیا کہ بہشت اور دوزخ کی جڑھ اسی دنیا سے شروع ہوتی ہے جیسا کہ
دوزخ کے باب میں ایک اور جگہ فرماتا ہے نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ الَّتِيْ
تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ۔ یعنی دوزخ وہ آگ ہے جو خدا کا غضب اسکا
منبع ہے اور گناہ سے بھڑکتی ہے اور پہلے دلپر غالب ہوتی ہے یہ اس بات
کی طرف اشارہ ہے کہ اس آگ کی اصل جڑھ وہ غم اور حسرتیں اور دردہیں جو
دلکو پکڑتے ہیں کیونکہ تمام روحانی عذاب پہلے دل سے ہی شروع ہوتے ہیں
اور پھر تمام بدن پر محیط ہوجاتے ہیں اور پھر ایک جگہ فرمایا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ
وَالْحِجَارَةُ یعنی جہنم کی آگ کا ایندھن جس سے وہ آگ ہمیشہ افروختہ
رہتی ہے دو چیزیں ہیں ایک وہ انسان جو حقیقی خدا کو چھوڑ کر اور اور چیزوں
کی پرستش کرتے ہیں یا انکی مرضی سے انکی پرستش کیجاتی ہے جیسا کہ فرمایا
اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ یعنی
تم اور تمھارے معبود باطل جو انسان ہوکر خدا کہلاتے رہے جہنم میں ڈالے
جائیں گے (۲) دوسرا ایندھن جہنم کا بُت ہیں مطلب یہ ہے کہ ان چیزوں کا
وجود نہ ہوتا تو جہنم بھی نہ ہوتا سو ان تمام آیات سے ظاہر ہے کہ خدا
تعالیٰ کے پاک کلام میں بہشت اور دوزخ اس جسمانی دنیا کی طرح نہیں ہے

بلکہ ان دونوں کا مبدء اور منبع روحانی امور ہیں ہاں وہ چیزیں دوسرے عالم میں جسمانی طور پر نظر آئیں گی مگر اس جسمانی عالم سے نہیں ہونگی؛

اب ہم پھر اصل مطلب کی طرف عود کرکے کہتے ہیں کہ خدا کے سچّے روحانی اور کامل تعلق پیدا ہونیکا ذریعہ جو قرآن شریف نے ہمیں سکھلایا ہی اسلام اور دعائے فاتحہ ہے یعنی اول اپنی تمام زندگی خدا کی راہ میں وقف کر دینا اور پھر اس دعا میں لگے رہنا جو سورۂ فاتحہ میں مسلمانوں کو سکھائی گئی ہے تمام اسلام کا مغز یہ دونوں چیزیں ہیں اسلام اور دعائے فاتحہ دنیا میں خدا تک پہنچنے اور حقیقی نجات کا پانی پینے کے لیئے یہی ایک اعلیٰ ذریعہ ہے بلکہ یہی ایک ذریعہ ہے جو قانون قدرت نے انسان کی اعلیٰ ترقی اور وصال الٰہی کے لیئے مقرر کیا ہے اور وہی خدا کو پاتے ہیں کہ جو اسلام کے مفہوم کی روحانی آگ میں داخل ہوں اور دعائے فاتحہ میں لگے رہیں اسلام کیا چیز ہے وہی جلتی ہوئی آگ جو ہماری سفلی زندگی کو بھسم کرکے اور ہمارے باطل معبودوں کو جلا کر سچے اور پاک معبود کے آگے ہماری جان اور ہماری مال اور ہماری آبرو کی قربانی پیش کرتی ہے ایسے چشمہ میں داخل ہوکر ہم ایک نئی زندگی کا پانی پیتے ہیں اور ہماری تمام روحانی قوتیں خدا سے یوں پیوند پکڑتی ہیں جیسا کہ ایک رشتہ دوسرے رشتہ سے پیوند کیا جاتا ہے بجلی کی آگ کی طرح ایک آگ ہمارے اندر سے نکلتی ہے اور ایک آگ اوپر سے ہم پر اترتی ہے ان دونوں شعلوں کے ملنے سے ہماری تمام ہوا و ہوس اور غیر اللہ کی محبت بھسم ہو جاتی ہے اور ہم اپنی پہلی زندگی سے مر جاتے ہیں اس حالت کا نام قرآن شریف کے رو سے اسلام ہے اسلام سے ہمارے نفسانی جذبات کو موت آتی ہے اور پھر دعا سے ہم از سر نو زندہ ہوتے ہیں اس دوسری زندگی

کے لیئے الہام الٰہی ہونا ضروری ہے اسی مرتبہ پر پہنچنے کا نام لقاء الٰہی ہے یعنی خدا
کا دیدار اور خدا کا درشن۔ اس درجہ پر پہنچکر انسان کو خدا سے وہ اتصال ہوتا ہے کہ
گویا وہ اسکو آنکھ سے دیکھتا ہے اور قوت دیجاتی ہے اور اس کے تمام حواس
اور تمام اندرونی قوتیں روشن کیجاتی ہیں اور پاک زندگی کی کشش بڑے زور سے
شروع ہوجاتی ہے اسی درجہ پر آکر خدا انسان کی آنکھ ہوجاتا ہے جس کے
ساتھ وہ دیکھتا ہے اور زبان ہوجاتا ہے جسکے ساتھ وہ بولتا ہے اور ہاتھ
ہوجاتا ہے جسکے ساتھ وہ حملہ کرتا ہے اور کان ہوجاتا ہے جسکے ساتھ وہ سنتا
ہے اور پیر ہوجاتا ہے جس کے ساتھ وہ چلتا ہے اسی درجہ کی طرف اشارہ ہے
جو خداتعالیٰ فرماتا ہے یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ۔ یہ اس کا ہاتھ خدا کا ہاتھ ہے جو
انکے ہاتھوں پر ہے اور ایسا ہی فرماتا ہے وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ
رَمٰی یعنی جو تُو نے چلایا تُو نے نہیں بلکہ خداتعالیٰ نے چلایا غرض اس درجہ پر خداتعالیٰ
کے ساتھ کمال اتحاد ہوجاتا ہے اور خدائے تعالیٰ کی پاک مرضی روح کے رگ و
ریشہ میں سرایت کرجاتی ہے اور اخلاقی طاقتیں جو کمزور تھیں اس درجہ میں محکم
پہاڑوں کی طرح نظر آتی ہیں عقل اور فراست نہایت لطافت پر آجاتی ہے یہ معنی
اس آیت کے ہیں جو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاَیَّدَھُمْ بِرُوْحٍ مِّنْہُ اس مرتبہ
میں محبت اور عشق کی نہریں ایسے طور سے جوش مارتی ہیں جو خداتعالیٰ کے لیئے مرنا اور
خداتعالیٰ کے لیئے ہزاروں دُکھ اٹھانا اور بے آبرو ہونا ایسا آسان ہوجاتا ہے کہ گویا
ایک ہلکا سا تنکا توڑنا ہے خداتعالیٰ کی طرف کھینچا چلا جاتا ہے اور نہیں جانتا کہ کون
کھینچ رہا ہے ایک غیبی ہاتھ اسکو اٹھائے پھرتا ہے اور خداتعالیٰ کی مرضیوں کو پورا
کرنا اس کی زندگی کا اصل الاصول ٹھہر جاتا ہے اس مرتبہ میں خدا بہت ہی قریب
دکھائی دیتا ہے جیسا کہ اُس نے فرمایا ہے نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ

یعنی ہم اس سے اس کی رگِ جان سے بھی زیادہ نزدیک ہیں ایسی حالت میں اس مرتبہ کا آدمی ایسا ہوتا ہے کہ جس طرح پھل پختہ ہو کر خود بخود درخت پر سے گر جاتا ہے اسی طرح اس مرتبہ کے آدمی کے تمام تعلقات سفلی کالعدم ہو جاتے ہیں اسکا اپنے خدا تعالیٰ سے ایک گہرا تعلق ہو جاتا ہے اور وہ مخلوق سے دُور چلا جاتا اور خدا تعالیٰ کے مکالمات اور مخاطبات سے شرف پاتا ہے اس مرتبہ کے حاصل کرنے کے لیئے اب بھی دروازے کھلے ہیں جیسے کہ پہلے کھلے ہوئے تھے اور اب بھی خدا تعالیٰ کا فضل یہ نعمت ڈھونڈنے والوں کو دیتا ہے جیسا کہ پہلے دیتا تھا مگر یہ راہ محض زبان کی فضولیوں کے ساتھ حاصل نہیں ہوتی اور فقط بے حقیقت باتوں اور لافوں سے یہ دروازہ نہیں کھلتا چاہنے والے بہت ہیں مگر پانیوالے کم اسکا کیا سبب ہے یہی کہ یہ مرتبہ سچی سرگرمی سچی جانفشانی پر موقوف ہے باتیں قیامت تک کیا کر و کیا ہو سکتا ہے صدق سے اس آگ پر قدم رکھنا جس کے خوف سے اور لوگ بھاگتے ہیں اس راہ کی پہلی شرط ہے اگر عملی سرگرمی نہیں تو لاف زنی ہیچ ہے وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ؁ یعنی اگر میرے بندے میری نسبت سوال کریں کہ وہ کہاں ہے تو انکو کہہ کہ وہ تم سے بہت ہی قریب ہے میں دعا کرنیوالے کی دعا سنتا ہوں پس چاہیئے کہ وہ دعاؤں سے میرا وصل ڈھونڈیں اور مجھ پر ایمان لاویں تا کامیاب ہوویں ؛

موت کے بعد انسان کی کیا حالت ہوتی ہے؟

سو اس سوال کے جواب میں یہ گذارش ہے کہ موت کے بعد جو کچھ انسان کی حالت ہوتی ہے درحقیقت وہ کوئی نئی حالت نہیں ہوتی بلکہ وہی دنیا کی زندگی کی حالتیں

زیادہ صفائی سے کھل جاتی ہے جو کچھ انسان کے عقائد اور اعمال کی کیفیت صالحہ یا غیر صالحہ ہوتی ہے وہ اس جہان میں مخفی طور پر اس کے اندر ہوتی ہے اور اس کا تریاق یا زہر ایک چھپی ہوئی تاثیر انسانی وجود پر ڈالتا ہے مگر آنیوالے جہان میں ایسا نہیں رہیگا بلکہ وہ تمام کیفیات کھلا کھلا اپنا چہرہ دکھلائیں گی اس کا نمونہ عالم خواب میں پایا جاتا ہے کہ انسان کے بدن پر جس قسم کے مواد غالب ہوتے ہیں عالم خواب میں اسی قسم کی جسمانی حالتیں نظر آتی ہیں جب کوئی تیز تپ چڑھنے کو ہوتا ہے تو خواب میں اکثر آگ اور آگ کے شعلے نظر آتے ہیں اور بلغمی تپوں اور ریزش اور زکام کے غلبہ میں انسان اپنے تئیں پانی میں دیکھتا ہے غرض جس طرح کی بیماریوں کیلئے بدن نے طیاری کی ہو وہ کیفیتیں تمثل کے طور پر خواب میں نظر آجاتی ہیں۔ پس خواب کے سلسلہ پر غور کرنے سے ہر ایک انسان سمجھ سکتا ہے کہ عالم ثانی میں بھی یہی سنّت اللہ ہے کیونکہ جس طرح خواب ہم میں ایک خاص تبدیلی پیدا کرکے روحانیات کو جسمانی طور پر تبدیل کرکے دکھلاتا ہے اُس عالم میں بھی یہی ہوگا اور اُس دن ہمارے اعمال اور اعمال کے نتائج جسمانی طور پر ظاہر ہونگے اور جو کچھ ہم اس عالم سے مخفی طور پر ساتھ لیجائیں گے وہ سب اُس دن ہمارے چہرہ پر نمودار نظر آئیگا اور جیسا کہ انسان جو کچھ خواب میں طرح طرح کے تمثلات دیکھتا ہے اور کبھی گمان نہیں کرتا کہ یہ تمثلات ہیں بلکہ انہیں واقعی چیزیں یقین کرتا ہے ایسا ہی اُس عالم میں ہوگا بلکہ خدا تعالیٰ تمثلات کے ذریعہ سے اپنی نئی قدرت دکھائے گا چونکہ وہ قدرت کامل ہے پس اگر ہم تمثلات کا نام بھی نہ لیں اور یہ کہیں کہ وہ خدا کی قدرت سے ایک نئی پیدائش ہے تو یہ تقریر بہت درست اور واقعی اور صحیح ہے خدا تعالیٰ فرماتا ہے فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ یعنی کوئی نفس نیکی کرنے والا نہیں جانتا

کہ وہ کیا کیا نعمتیں ہیں جو اسکے لیئے مخفی ہیں سو خدا تعالیٰ نے ان تمام نعمتوں کو مخفی قرار دیا جن کا دنیا کی نعمتوں میں نمونہ نہیں یہ تو ظاہر ہے کہ دنیا کی نعمتیں ہم پر مخفی نہیں ہیں اور دودھ اور انار اور انگور وغیرہ کو ہم جانتے ہیں اور ہمیشہ یہ چیزیں کھاتے ہیں سو اس سے معلوم ہوا کہ وہ چیزیں اور ہیں اور اُن کو ان چیزوں سے صرف نام کا اشتراک ہے پس جس نے بہشت کو دنیا کی چیزوں کا مجموعہ سمجھا اُس نے قرآن شریف کا ایک حرف بھی نہیں سمجھا اس آیت کی شرح میں جو ابھی مینے ذکر کی ہے ہمارے سید و مولیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بہشت اور اسکی نعمتیں وہ چیزیں ہیں جو نہ کبھی کسی آنکھ نے دیکھیں اور نہ کسی کان نے سنیں اور نہ دلوں میں کبھی گذریں حالانکہ ہم دنیا کی نعمتوں کو آنکھوں سے بھی دیکھتے ہیں اور کانوں سے بھی سُنتے ہیں اور دل میں بھی وہ نعمتیں گذرتی ہیں پس جبکہ خدا تعالیٰ اور رسول اُس کا ان چیزوں کو ایک نرالی چیزیں بتلاتا ہے تو ہم قرآن سے دُور جا پڑتے ہیں اگر یہ گمان کریں کہ بہشت میں بھی دنیا کا ہی دودھ ہوگا جو گائیوں اور بھینسوں سے دوہا جاتا ہے گویا دودھ دینے والے جانوروں کے وہاں ریوڑ کے ریوڑ موجود ہوں گے اور درختوں پر شہد کی مکھیوں نے بہت سے چھتے لگائے ہوئے ہونگے اور فرشتے تلاش کرکے وہ شہد نکالیں گے اور نہروں میں ڈالیں گے کیا ایسے خیالات اس تعلیم سے کچھ مناسبت رکھتے ہیں جس میں یہ آیتیں موجود ہیں کہ دنیا نے ان چیزوں کو کبھی نہیں دیکھا اور وہ چیزیں روح کو روشن کرتی ہیں اور خدا کی معرفت بڑھاتی ہیں اور روحانی غذائیں ہیں گو ان غذاؤں کا تمام نقشہ جسمانی رنگ پر ظاہر کیا گیا ہے مگر ساتھ ساتھ بتایا گیا ہے کہ انکا سرچشمہ روح اور راستی ہے کوئی یہ گمان نہ کرے کہ قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت

سے یہ پایا جاتا ہے کہ جو نعمتیں[۵] ہمیں پہلے بھی مل چکی تھیں جیسا کہ اللہ جلشانہ فرماتا ہے
وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا
قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا۔ یعنی جو لوگ
ایمان لانیوالے اور اچھے کام کرنیوالے ہیں جن میں ذرہ فساد نہیں اُنکو خوشخبری دے
کہ وہ اُس بہشت کے وارث ہیں جس کے نیچے نہریں بہتی ہیں جب وہ عالم آخرت
میں ان درختوں کے ان پھلوں میں سے جو دنیا کی زندگی میں ہی انکو مل چکے تھے
پائیں گے تو کہیں گے کہ یہ تو وہ پھل ہیں جو ہمیں پہلے ہی دیئے گئے تھے کیونکہ وہ
اِن پھلوں کو اُن پہلے پھلوں سے مشابہ پائیں گے۔ اب یہ گمان کہ پہلے پھلوں
سے مراد دنیا کی جسمانی نعمتیں ہیں بالکل غلطی ہے اور آیت کے بدیہی معنے اور اسکے
منطوق کے بالکل برخلاف ہے بلکہ اللہ جلشانہ اس آیت میں یہ فرماتا ہے کہ جو لوگ
ایمان لائے اور اعمال صالحہ کیئے اُنہوں نے اپنے ہاتھ سے ایک بہشت بنایا ہے
جس کے درخت ایمان اور جسکی نہریں اعمال صالحہ ہیں اسی بہشت کا وہ آئندہ بھی
پھل کھائیں گے اور وہ پھل زیادہ نمایاں اور شیریں ہوگا۔ اور چونکہ وہ روحانی
طور پر اسی پھل کو دنیا میں کھا چکے ہونگے اس لیئے دوسری دنیا میں اس پھل کو پہچان
لیں گے اور کہیں گے کہ یہ تو وہی پھل معلوم ہوتے ہیں کہ جو پہلے ہمارے کھانے
میں آچکے ہیں اور اس پھل کو اس پہلی خوراک سے مشابہ پائیں گے سو یہ آیت
صریح بتا رہی ہے کہ جو لوگ دنیا میں خدا کی محبت اور پیار کی غذا کھاتے تھے اب
جسمانی شکل پر وہی غذا انکو ملے گی اور چونکہ وہ پریت اور محبت کا مزہ چکھ چکے تھے
اور اس کیفیت سے آگاہ تھے اس لیئے انکی روح کو وہ زمانہ یاد آجائے گا کہ
جب وہ گوشوں اور خلوتوں میں اور رات کے اندھیروں میں محبت کے ساتھ

[۵] بہشت میں دیکھا تو کہا کہ ان نعمتوں کو دیکھ کر بہشتی لوگ بطور تناسخ کہیں گے کہ یہی نعمتیں

اپنے محبوب حقیقی کو یاد کرتے اور اس یاد سے لذّت اُٹھاتے تھے۔ غرض اسجگہ جسمانی
غذاؤں کا کچھ ذکر نہیں اور اگر کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ جبکہ روحانی طور پر
عارفوں کو یہ غذا دنیا میں مل چکی تھی تو پھر یہ کہنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے کہ وہ ایسی
نعمتیں ہیں کہ نہ دنیا میں کسی نے دیکھیں نہ سنیں اور نہ کسی کے دل میں گذریں۔ اور
اس صورت میں ان دونوں آیتوں میں تناقض پایا جاتا ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ
تناقض اس صورت میں ہوتا کہ جب اس آیت میں دنیا کی نعمتیں مراد ہوتیں لیکن
جب اسجگہ دنیا کی نعمتیں مراد نہیں ہیں جو کچھ عارف کو معرفت کے رنگ میں ملتا ہے
وہ درحقیقت دوسرے جہان کی نعمت ہوتی ہے جس کا نمونہ شوق دلانیکے لیئے
پہلے ہی دیا جاتا ہے۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ باخدا آدمی دنیا میں سے نہیں ہوتا اس لیئے
تو دنیا اس سے بُغض رکھتی ہے بلکہ وہ آسمان سے ہوتا ہے اس لیئے آسمانی نعمت
اسکو ملتی ہے دنیا کا آدمی دنیا کی نعمتیں پاتا ہے اور آسمان کا آسمانی نعمتیں حاصل
کرتا ہے سو یہ بالکل سچ ہے کہ وہ نعمتیں دنیا کے کانوں اور دنیا کے دلوں اور دنیا
کی آنکھوں سے چھپائی گئیں لیکن جسکی دنیوی زندگی پر موت آجائے اور وہ پیالہ
روحانی طور پر اسکو پلایا جائے جو آگے جسمانی طور پیا جائے گا اُسکو یہ پینا اُسوقت
یاد آجائے گا جبکہ وہی پیالہ جسمانی طور پر اسکو دیا جائیگا لیکن یہ بھی سچ ہے کہ وہ
اس نعمت سے دنیا کی آنکھ اور کان وغیرہ کو بے خبر سمجھیگا چونکہ وہ دنیا میں تھا
اگرچہ دنیا میں سے نہیں تھا اس لیئے وہ بھی گواہی دیگا کہ دنیا کی نعمتوں سے
وہ نعمت نہیں نہ دنیا میں اُس کی آنکھ نے ایسی نعمت دیکھی نہ کان نے سُنی اور نہ
دل میں گذری۔ لیکن دوسری زندگی میں اسکے نمونے دیکھے جو دنیا میں سے نہیں تھے
بلکہ وہ آنیوالے جہان کی ایک خبر تھی اور اُسی سے اُس کا رشتہ اور تعلق تھا دنیا سے
کچھ تعلق نہیں تھا اب قاعدہ کُلّی کے طور پر یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ موت کے

بعد جو حالتیں پیش آتی ہیں قرآن شریف نے انہیں تین قسم پر منقسم کیا ہے اور عالم معاد کے متعلق یہ تین قرآنی معارف ہیں جن کو ہم جدا جدا اس جگہ ذکر کرتے ہیں:۔

پہلا دقیقہ معرفت

پہلا دقیقہ معرفت۔ اوّل یہ دقیقہ معرفت ہے کہ قرآن شریف بار بار یہی فرماتا ہے کہ عالم آخرت کوئی نئی چیز نہیں ہے بلکہ اُسکے تمام نظارے اسی دنیوی زندگی کے اظلال و آثار ہیں جیسا کہ وہ فرماتا ہے وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰهُ مَنْشُوْرًا ۱۵ پ۱۵ یعنی ہم نے اسی دنیا میں ہر ایک شخص کے اعمال کا اثر اُسکی گردن سے باندھ رکھا ہے اور انہیں پوشیدہ اثروں کو ہم قیامت کے دن ظاہر کرینگے اور ایک کھلے کھلے اعمال نامہ کی شکل پر دکھلا دینگے اس آیت میں جو طائر کا لفظ ہے تو واضح ہو کہ طائر اصل میں پرندہ کو کہتے ہیں پھر استعارہ کے طور پر اس سے مراد عمل بھی لیا گیا ہے کیونکہ ہر ایک عمل نیک ہو یا بد ہو وہ وقوع کے بعد پرندہ کی طرح پرواز کر جاتا ہے اور مشقت یا لذّت اس کی کالعدم ہو جاتی ہے اور دل پر اس کی کثافت یا لطافت باقی رہ جاتی ہے یہ قرآنی اصول ہے کہ ہر ایک عمل پوشیدہ طور پر اپنے نقوش جماتا رہتا ہے جس طور کا انسان کا فعل ہوتا ہے اُسکے مناسب حال ایک خدائے تعالیٰ کا فعل صادر ہوتا ہے اور وہ فعل اس گناہ کو یا اس کی نیکی کو ضائع ہونے نہیں دیتا بلکہ اسکے نقوش دل پر مُنہ پر آنکھوں پر ہاتھوں پر پیروں پر لکھے جاتے ہیں اور یہی پوشیدہ طور پر ایک اعمال نامہ ہے جو دوسری زندگی میں کُھلے طور پر ظاہر ہو جائے گا اور پھر ایک دوسری جگہ بہشتیوں کے بارے میں فرماتا ہے يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ یعنی اُس دن بھی ایمانی نور جو

پوشیدہ طور پر مومنوں کو حاصل ہے کھلے کھلے طور پر انکے آگے اور انکے داہنے ہاتھ
پر دوڑتا نظر آئیگا پھر ایک اور جگہ بدکاروں کو مخاطب کر کے فرمایا ہے اَلْهٰكُمُ
التَّكَاثُرُ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ثُمَّ كَلَّا
سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ۝ لَتَرَوُنَّ
الْجَحِيْمَ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ
عَنِ النَّعِيْمِ ۝ یعنی دنیا کی کثرت حرص و ہوا نے تمھیں آخرت کی تلاش سے
روک رکھا یہاں تک کہ تم قبروں میں جا پڑے دنیا سے دل مت لگاؤ تم عنقریب
جان لوگے کہ دنیا سے دل لگانا اچھا نہیں پھر میں کہتا ہوں کہ عنقریب تم جان
لوگے کہ دنیا سے دل لگانا اچھا نہیں اگر تمھیں یقینی علم حاصل ہو تو تم دوزخ کو
اسی دنیا میں دیکھ لوگے پھر برزخ کے عالم میں یقین کی آنکھوں کے ساتھ دیکھوگے
پھر عالم حشر اجساد میں پورے مواخذہ میں آجاؤگے اور وہ عذاب تم پر کامل طور پر
وارد ہو جائیگا اور صرف قال سے نہیں بلکہ حال سے تمھیں دوزخ کا علم حاصل
ہو جائے گا۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے صاف فرما دیا ہے کہ اسی جہان میں
بدکاروں کے لیئے جہنمی زندگی پوشیدہ طور پر ہوتی ہے اور اگر غور کریں تو اپنی
دوزخ کو اسی دنیا میں دیکھ لیں گے اور اسجگہ اللہ تعالیٰ نے علم کو تین درجوں پر
منقسم کیا ہے یعنی علم الیقین۔ عین الیقین۔ حق الیقین اور عالم کے سمجھنے کیلیئے
ان تینوں علموں کی یہ مثالیں ہیں کہ اگر مثلاً ایک شخص دور سے کسی جگہ بہت سا
دھواں دیکھے اور پھر دھوئیں سے ذہن منتقل ہو کر آگ کی طرف چلا جائے اور
آگ کے وجود کا یقین کرے اور اس خیال سے کہ دھوئیں اور آگ میں ایک تعلق
لا ینفک اور ملازمت تامہ ہے جہاں دھواں ہوگا ضرور ہے کہ آگ بھی ہو تو اس
علم کا نام علم الیقین ہے اور پھر جب آگ کے شعلے دیکھ لے تو اس علم کا نام عین الیقین

ہے اور جب اس آگ میں آپ ہی داخل ہو جائے تو اس علم کا نام حق الیقین ہے۔ اب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جہنم کے وجود کا علم الیقین تو اسی دنیا میں ہو سکتا ہے۔ پھر عالم برزخ میں عین الیقین حاصل ہو گا اور عالم حشر اجساد میں وہی علم حق الیقین کے کامل مرتبہ تک پہنچیگا ؎

اسجگہ واضح رہے کہ قرآنی تعلیم کی رو سے تین عالم ثابت ہوتے ہیں۔ اوّل دنیا جس کا نام عالم کسب اور نشاء اولیٰ ہے اسی دنیا میں انسان اکتساب نیکی کا یا بدی کا کرتا ہے اور اگرچہ عالم بعث میں نیکوں کے واسطے ترقیات ہیں مگر وہ محض خدا کے فضل سے ہیں انسان کے کسب کو ان میں دخل نہیں (۲) اور دوسرے عالم کا نام برزخ ہے اصل میں لفظ برزخ لغت عرب میں اُس چیز کو کہتے ہیں کہ جو دو چیزوں کے درمیان واقع ہو سو چونکہ یہ زمانہ عالم بعث اور عالم نشاء اولیٰ میں واقعہ ہے اس لیئے اس کا نام برزخ ہے لیکن لفظ قدیم سے اور جب سے کہ دنیا کی بنا پڑی عالم درمیانی پر بولا گیا ہے اس لیئے اس لفظ میں عالم درمیانی کے وجود پر ایک عظیم الشان شہادت مخفی ہے ہم مِنَنُ الرَّحْمٰن میں ثابت کرچکے ہیں کہ عربی کے الفاظ وہ الفاظ ہیں جو خدا کے منہ سے نکلے ہیں اور دنیا میں فقط یہی ایک زبان ہے جو خدائے قدوس کی زبان اور قدیم اور تمام علوم کا سرچشمہ اور تمام زبانوں کی ماں اور خدا کی وحی کا پہلا اور پچھلا تخت گاہ ہے۔ خدا کی وحی کا پہلا تخت گاہ اس لیئے کہ تمام عربی خدا کا کلام تھا جو قدیم سے خدا کے ساتھ تھا پھر وہی کلام دنیا میں اُترا اور دنیا نے اُس سے اپنی بولیاں بنائیں اور آخری تخت گاہ خدا کا اس لیئے لُغت عربی ٹھہری کہ آخری کتاب خدائے تعالیٰ جو قرآن شریف ہے عربی میں نازل ہوئی سو برزخ عربی لفظ ہے جو مرکب ہے بَرْ اور زَخْ سے جسکے

معنے یہ ہیں کہ طریق کسب اعمال ختم ہو گیا اور ایک مخفی حالت میں پڑ گیا -
برزخ کی حالت وہ حالت ہے کہ جب یہ ناپائدار ترکیب انسانی تفرق پذیر ہو جاتی ہے اور روح الگ اور جسم الگ ہو جاتا ہے اور جیسا کہ دیکھا گیا ہے جسم کسی گڑھے میں ڈالدیا جاتا ہے اور روح بھی ایک قسم کے گڑھے میں پڑتی جاتی ہے جسپر لفظ برزخ کا دلالت کرتا ہے کیونکہ وہ افعال کسب خیر یا شر پر قادر نہیں ہو سکتی کہ جو جسم کے تعلقات سے اس سے صادر ہو سکتے تھے یہ تو ظاہر ہے کہ ہماری روح کی عمدہ صحت جسم پر موقوف ہے دماغ کے ایک خاص حصہ پر چوٹ لگنے سے حافظہ جاتا رہتا ہے اور دوسرے حصہ پر آفت پہنچنے سے قوت متفکرہ رخصت ہوتی ہے اور تمام ہوش و حواس رخصت ہو جاتے ہیں اور دماغ میں اب کسی قسم کا تشنج ہو جائے یا ورم پیدا ہو یا خون یا کوئی اور مادہ ٹھہر جائے اور کسی سدہ تام یا غیر تام کو پیدا کرے تو غشی یا مرگی یا سکتہ معاً لاحق حال ہو جاتا ہے پس ہمارا قدیم کا تجربہ ہمیں یقینی طور پر سکھلاتا ہے کہ ہماری روح بغیر تعلق جسم کے بالکل نکمی ہے سو یہ بات بالکل باطل ہے کہ ہم ایسا خیال کریں کہ کسی وقت میں ہماری مجرد روح جسکے ساتھ جسم نہیں ہے کسی خوشحالی کو پا سکتی ہے اگر ہم قصہ کے طور پر اسکو قبول کریں تو کریں لیکن معقولی طور پر اسکے ساتھ کوئی دلیل نہیں ہم بالکل سمجھ نہیں سکتے کہ وہ ہماری روح جو جسم کے ادنیٰ ادنیٰ خلل کے وقت بیکار ہو کر بیٹھ جاتی ہے اُس روز کیونکر کامل حالت پر رہیگی جبکہ بالکل جسم کے تعلقات سے محروم کیجائیگی کیا ہر روز ہمیں تجربہ نہیں سمجھاتا کہ روح کی صحت کے لئے جسم کی صحت ضروری ہے جب ایک شخص ہم میں سے پیر فرتوت ہو جاتا ہے تو ساتھ ہی اُسکی روح بھی بوڑھی ہو جاتی ہے اسکا

تمام علمی سرمایہ بڑھاپے کا چور چرا کرلے جاتا ہے جیسا کہ اللہ جلشانہٗ فرماتا ہے لِکَیْلَا یَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَیْئًا یعنی انسان بڈھا ہو کر ایسی حالت تک پہنچ جاتا ہے کہ پڑھ پڑھا کر پھر جاہل بنجاتا ہے پس ہمارا یہ مشاہدہ اس بات پر کافی دلیل ہے کہ روح بغیر جسم کے کچھ چیز نہیں پھر یہ خیال بھی انسان کو حقیقی سچائی کی طرف توجہ دلاتا ہے اگر روح بغیر جسم کے کچھ چیز ہوتی تو خدائے تعالیٰ کا یہ کام لغو ٹھہرتا کہ اسکو خواہ نخواہ جسم فانی سے پیوند دیدیتا اور پھر یہ بھی سوچنے کے لائق ہے کہ خدائے تعالیٰ نے انسان کو غیر متناہی ترقیات کے لیئے پیدا کیا ہے پس جس حالت میں انسان اس مختصر زندگی کی ترقیات کو بغیر رفاقت جسم کے حاصل نہیں کرسکتا تو کیونکر امید رکھیں کہ ان نامتناہی ترقیات کو جو ناپیداکنار ہیں بغیر رفاقت جسم کے خود بخود حاصل کرلیگا سو ان تمام دلائل سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ روح کے افعال کاملہ صادر ہونے کے لیئے اسلامی اصول کے رو سے جسم کی رفاقت روح کے ساتھ دائمی ہے گو موت کے بعد یہ فانی جسم روح سے الگ ہوجاتا ہے مگر عالم برزخ میں مستعار طور پر ہر ایک روح کو کسی قدر اپنے اعمال کا مزہ چکھنے کیلیئے جسم ملتا ہے وہ جسم اس جسم کی قسم میں سے نہیں ہوتا بلکہ ایک نور سے یا ایک تاریکی سے جیسا کہ اعمال کی صورت ہو جسم طیار ہوتا ہے گویا کہ اس عالم میں انسان کی عملی حالتیں جسم کا کام دیتی ہیں ایسا ہی خدا کے کلام میں بار بار ذکر آیا ہے اور بعض جسم نورانی اور بعض ظلمانی قرار دیئے ہیں جو اعمال کی روشنی یا اعمال کی ظلمت سے طیار ہوتے ہیں اگرچہ یہ راز ایک نہایت دقیق راز ہے مگر غیر معقول نہیں انسان کامل اسی زندگی میں ایک نورانی وجود اس کیفیت جسم کے علاوہ پاسکتا ہے اور عالم مکاشفات میں اسکی بہت مثالیں ہیں۔ اگرچہ ایسے شخص کو سمجھانا مشکل ہوتا ہے جو صرف ایک موٹی عقل کی حد تک ٹھہرا ہوا ہے لیکن جنکو عالم مکاشفات میں سے کچھ حصہ ہے وہ اس قسم کے جسم کو جو اعمال

سے طیار ہوتا ہے تعجب اور استبعاد کی نگاہ سے نہیں دیکھیں گے بلکہ اس مضمون سے
لذّت اُٹھائیں گے غرض یہ جسم جو اعمال کی کیفیت سے ملتا ہے یہی عالم برزخ میں
نیک و بد کی جزا کا موجب ہو جاتا ہے مَیں اس میں صاحب تجربہ ہوں مجھے کشفی طور پر
عین بیداری میں بارہا بعض مُردوں کی ملاقات کا اتفاق ہُوا ہے اور مَیں نے بعض
فاسقوں اور گمراہی اختیار کرنیوالوں کا جسم ایسا سیاہ دیکھا ہے کہ گویا وہ دھوئیں سے
بنایا گیا ہے غرض مَیں اس کوچہ سے ذاتی واقفیت رکھتا ہوں اور مَیں زور سے کہتا
ہوں کہ جیسا کہ خدائے تعالیٰ نے فرمایا ہے ایسا ہی ضرور مرنیکے بعد ہر ایک کو ایک جسم ملتا
ہے خواہ نورانی خواہ ظلمانی انسان کی یہ غلطی ہوگی اگر وہ ان نہایت باریک معارف
کو صرف عقل کے ذریعہ سے ثابت کرنا چاہے بلکہ جاننا چاہیئے کہ جیسا کہ آنکھ شیرین چیز کا
مزہ نہیں بتلا سکتی اور نہ زبان کسی چیز کو دیکھ سکتی ہے ایسا ہی وہ علوم معاد جو
پاک مکاشفات سے حاصل ہو سکتے ہیں صرف عقل کے ذریعہ سے انکا عقدہ حل
نہیں ہو سکتا خداتعالیٰ نے اس دنیا میں مجہولات کے جاننے کے لیئے علیحدہ علیحدہ وسائل
رکھے ہیں پس ہر ایک چیز کو اس کے وسیلہ کے ذریعہ سے ڈھونڈو تب اسے پالوگے ایک
اور بات بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ خدا نے اُن لوگوں کو جو بدکاری اور گمراہی میں
پڑ گئے اپنے کلام میں مُردہ کے نام سے موسوم کیا ہے اور نیکوکاروں کو زندہ قرار
دیا ہے اس میں بھید یہ ہے کہ جو لوگ خداتعالیٰ سے غافل ہوئے اُنکی زندگی کے اسباب
جو کھانا پینا اور شہوتوں کی پیروی تھی منقطع ہو گئے اور روحانی غذا سے انکو کچھ حصہ
نہ تھا پس وہ درحقیقت مر گئے اور وہ صرف عذاب اُٹھانے کے لیئے زندہ ہونگے
اسی بھید کی طرف اللہ جلشانہٗ نے اشارہ فرمایا ہے جیسا کہ کہتا ہے وَمَنْ يَّأْتِ
رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى یعنی جو شخص مجرم
بنکر خدا کے پاس آئیگا تو اُس کا ٹھکانا جہنّم ہے وہ اس میں نہ مریگا اور نہ زندہ رہیگا

مگر جو لوگ خدا تعالیٰ کے محب ہیں وہ موت سے نہیں مرتے کیونکہ انکا پانی اور انکی روٹی
انکے ساتھ ہوتی ہے پھر برزخ کے بعد وہ زمانہ ہے جس کا نام عالم بعث ہے اس
زمانہ میں ہر ایک روح نیک ہو یا بد صالح ہو یا فاسق ایک کھلا کھلا جسم حاصل کریگی
اور یہ دن خدا کی ان پوری تجلیات کے لیئے مقرر کیا گیا ہے جس میں ہر ایک انسان
اپنے ربّ کی ہستی ہی پورے طور پر واقف ہو جائیگا اور ہر ایک شخص اپنے جزا کے انتہائی
نقطہ تک پہنچیگا یہ تعجب نہیں کرنا چاہیئے کہ خدا سے یہ کیونکر ہو سکے گا کیونکہ وہ
ہر ایک قدرت کا مالک ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے اَوَلَمْ
يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ۝
وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ۝
قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ ۝
اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ
مِثْلَهُمْ بَلٰى وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا
اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ
وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ یعنی کیا انسان نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اسکو ایک قطرہ
پانی سے پیدا کیا جو رحم میں ڈالا گیا تھا پھر وہ ایک جھگڑنے والا آدمی بنگیا ہمارے
لیئے باتیں بنانے لگا اور اپنی پیدائش بھول گیا اور کہنے لگا کہ یہ کیونکر ممکن ہے
کہ جبکہ ہڈیاں بھی سلامت نہیں رہیں گی تو پھر انسان نئے سرے زندہ ہوگا ایسی
قدرت والا کون ہے جو اسکو زندہ کریگا انکو کہہ وہی زندہ کریگا جسنے پہلے اسکو پیدا کیا تھا اور وہ ہر ایک
قسم سے اور ہر ایک راہ سے زندہ کرنا جانتا ہے اس کے حکم کی یہ شان ہے کہ جب
کسی چیز کے ہونیکا ارادہ کرتا ہے تو صرف یہی کہتا ہے کہ ہو پس وہ چیز پیدا ہو جاتی
ہے پس وہ ذات پاک ہے جسکی ہر ایک چیز پر بادشاہی ہے اور تم سب اسی کی طرف

رجوع کروگے۔ سوان آیات میں اللہ جلشانہٗ نے فرمایا ہے کہ خدا کے آگے کوئی چیز اَنہونی نہیں جس نے ایک قطرہ حقیر سے انسان کو پیدا کیا وہ دوسری مرتبہ پیدا کرنے سے عاجز ہے ٭

اسجگہ ایک اور سوال ناواقفوں کی طرف سے ہوسکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جس حالت میں تیسرا عالم جو عالم بعث ہے مدت دراز کے بعد آئیگا تو اس صورت میں ہر ایک نیک و بد کے لیئے عالم برزخ بطور حوالات کے ہُوا جو ایک امر عبث معلوم ہوتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا سمجھنا سراسر غلطی ہے جو محض ناواقفی سے پیدا ہوتی ہے بلکہ خدا کی کتاب میں نیک و بد کی جزا کے لیئے دو مقام پائے جاتے ہیں ایک عالم برزخ جس میں مخفی طور پر ہر ایک شخص اپنی جزا پائے گا بُرے لوگ مرنیکے بعد ہی جہنم میں داخل ہونگے نیک لوگ مرنیکے بعد ہی جنت میں آرام پائیں گے چنانچہ اس قسم کی آیتیں قرآن شریف میں بکثرت ہیں کہ بمجرد موت کے ہر ایک انسان اپنے اعمال کی جزا دیکھ لیتا ہے جیسا کہ خدائے تعالیٰ ایک بہشتی کے بارے میں خبر دیتا ہے اور فرماتا ہے قِيلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ یعنی اسکو کہا گیا کہ تو بہشت میں داخل ہو اور ایسا ہی ایک دوزخی کی خبر دیکر فرماتا ہے فَرَاٰهُ فِي سَوَاءِ الْجَحِيمِ ٥ یعنی ایک بہشتی کا ایکدوست دوزخی تھا جب وہ دونوں مرگئے تو بہشتی حیران تھا کہ میرا دوست کہاں ہے پس اُسکو دکھلایا گیا کہ وہ جہنم کے درمیان ہے سو جزا سزا کی کارروائی تو بلا توقف شروع ہو جاتی ہے اور دوزخی دوزخ میں اور بہشتی بہشت میں جاتے ہیں مگر اسکے بعد ایک اور تجلی اعلیٰ کا دن ہے جو خدا کی بڑی حکمت نے اس دن کے ظاہر کرنیکا تقاضا کیا ہے کیونکہ اُس نے انسان کو پیدا کیا تا وہ اپنی خالقیت کے ساتھ شناخت کیا جائے اور پھر وہ سب کو ہلاک کریگا تا کہ وہ اپنی قہاریت کے ساتھ شناخت کیا جائے اور پھر

ایک دن سب کو کامل زندگی بخشکر ایک میدان میں جمع کریگا تاکہ وہ اپنی قادریت کے ساتھ پہچانا جائے۔ اب جاننا چاہیئے کہ دقائق مذکورہ میں سے یہ پہلا دقیقہ معرفت تھا جس کا بیان ہُوا۔

دوسرا دقیقہ معرفت

دوسرا دقیقہ معرفت۔ دوسرا دقیقہ معرفت جس کو عالم معاد کے متعلق قرآن شریف نے ذکر فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ عالم معاد میں وہ تمام امور جو دنیا میں روحانی تھے جسمانی طور پر متمثل ہوں گے خواہ عالم معاد میں برزخ کا درجہ ہو یا عالم بعث کا درجہ اس بارے میں جو کچھ خدائے تعالیٰ نے فرمایا ہے اس میں سے ایک یہ آیت ہے مَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا۔ یعنی جو شخص اس جہان میں اندھا ہوگا وہ دوسرے جہان میں بھی اندھا ہوگا۔ اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ اس جہان کی روحانی نابینائی اُس جہان میں جسمانی طور پر مشہود اور محسوس ہوگی ایسا ہی دوسری آیت میں فرماتا ہے خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ۔ یعنی اس جہنمی کو پکڑو اسکی گردن میں طوق ڈالو پھر دوزخ میں اسکو جلاؤ پھر ایسی زنجیر میں جو پیمائش میں ستر گز ہے اسکو داخل کرو۔ جاننا چاہیئے کہ ان آیات میں ظاہر فرمایا ہے کہ دنیا کا روحانی عذاب عالم معاد میں جسمانی طور پر نمودار ہوگا چنانچہ طوق گردن دنیا کی خواہشوں کا جس نے انسان کے سر کو زمین کی طرف جھکا رکھا تھا وہ عالم ثانی میں ظاہری صورت پر نظر آجائے گا اور ایسا ہی دنیا کی گرفتاریوں کی زنجیر پیروں میں پڑی ہوئی دکھائی دیگی اور دنیا کی خواہشوں کی سوزشوں کی آگ ظاہر ظاہر بھڑکی ہوئی نظر آئیگی۔ فاسق انسان دنیا کی زندگی میں ہوا و ہوس کا ایک جہنم اپنے اندر رکھتا ہے اور ناکامیوں میں اس جہنم کی سوزشوں کا احساس کرتا ہے پس جبکہ اپنی

فانی شہوات سے دور ڈالا جائے گا اور ہمیشہ کی ناامیدی طاری ہوگی تو خدائے تعالیٰ ان حسرتوں کو جسمانی آگ کے طور پر اسپر ظاہر کریگا جیساکہ وہ فرماتا ہے وَحِيلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُونَ ۝ یعنی ان میں اور انکی خواہشوں کی چیزوں میں جدائی ڈالی جائیگی اور یہی عذاب کی جڑھ ہوگی اور پھر جو فرمایا کہ ستر گز کی زنجیر میں اسکو داخل کرو یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ایک فاسق بسا اوقات ستر برس کی عمر پالیتا ہے بلکہ کئی دفعہ اس دنیا میں اسکو ایسے ستر برس بھی ملتے ہیں کہ خوردسالی کی عمر اور پیر فرتوت ہونیکی عمر الگ کرکے پھر اسقدر صاف اور خالص حصہ عمر کا اسکو ملتا ہے جو عقلمندی اور محنت اور کام کے لائق ہوتا ہے لیکن وہ بدبخت اپنی عمدہ زندگی کے ستر برس دنیا کی گرفتاری میں گذارتا ہے اور اس زنجیر سے آزاد ہونا نہیں چاہتا سو خدائے تعالیٰ اس آیت میں فرماتا ہے کہ وہی ستر برس جو اس نے گرفتاری دنیا میں گذارے تھے عالم معاد میں زنجیر کی طرح متمثل ہو جائیں گے جو ستر گز کی ہوگی ہر ایک گز بجائے ایک سال کے ہے۔ اسجگہ یاد رکھنا چاہیئے کہ خدائے تعالیٰ اپنی طرف سے بندہ پر کوئی مصیبت نہیں ڈالتا بلکہ وہ انسان کے اپنے برے کام اسکے آگے رکھدیتا ہے پھر اسی اپنی سنت کے اظہار میں خدائے تعالیٰ ایک اور جگہ فرماتا ہے اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِيْ ثَلٰثِ شُعَبٍ لَّا ظَلِيْلٍ وَّلَا يُغْنِيْ مِنَ اللَّهَبِ یعنی اے بدکارو گمراہو سہ گوشہ سایہ کی طرف چلو جس کی تین شاخیں ہیں جو سایہ کا کام نہیں دے سکتیں اور نہ گرمی سے بچا سکتی ہیں اس آیت میں تین شاخوں سے مراد قوت سبعی اور بہیمی اور وہمی ہے جو لوگ ان تینوں قوتوں کو اخلاقی رنگ میں نہیں لاتے اور انکی تعدیل نہیں کرتے انکی یہ قوتیں قیامت میں اس طرح پر نمودار

کبھی آئینگی کہ گویا تین شاخیں بغیر پتوں کے کھڑی ہیں اور گرمی سے بچا نہیں سکتیں
اور وہ گرمی سے جلیں گے پھر ایسا ہی خدائے تعالیٰ اپنی اسی سُنّت کے اظہار کے
لئے بہشتیوں کے حق میں فرماتا ہے یَوْمَ تَرَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ
یَسْعٰی نُوْرُھُمْ بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَبِاَیْمَانِھِمْ یعنی اُس روز تو دیکھے گا
کہ مومنوں کا یہ نور جو دنیا میں پوشیدہ طور پر ہے ظاہر ظاہر اُن کے آگے اور انکے
داہنی طرف دوڑتا ہوگا۔ اور پھر ایک اور آیت میں فرماتا ہے یَوْمَ تَبْیَضُّ
وُجُوْہٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْہٌ یعنی اُس دن بعض مُنہ سیاہ ہوجائیں گے اور
بعض سفید اور نورانی ہوجائیں گے اور پھر ایک اور آیت میں فرماتا ہے مَثَلُ
الْجَنَّۃِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ فِیْھَآ اَنْھٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَیْرِ اٰسِنٍ وَ
اَنْھٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ یَتَغَیَّرْ طَعْمُہٗ وَاَنْھٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّۃٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ
وَاَنْھٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى یعنی وہ بہشت جو پرہیز گاروں کو دیجائیگی
اسکی مثال یہ ہے کہ جیسے ایک باغ ہے اُس میں اُس پانی کی نہریں ہیں جو کبھی
متعفن نہیں ہوتا اور نیز اُس میں اُس دودھ کی نہریں جس کا کبھی مزہ نہیں بدلتا
اور نیز اُس میں شراب کی نہریں ہیں جو سراسر سرور بخش ہے جس کے ساتھ خمار
نہیں اور نیز اس میں اس شہد کی نہریں ہیں جو نہایت صاف ہے جس کے ساتھ
کوئی کثافت نہیں اسجگہ صاف طور پر فرمایا کہ اس بہشت کو مثالی طور پر یوں سمجھلو کہ
ان تمام چیزوں کی اُس میں ناپیدا کنار نہریں ہیں وہ زندگی کا پانی جو عارف دنیا
میں روحانی طور پر پیتا ہے اُس میں ظاہری طور پر موجود ہے اور وہ روحانی دودھ
جس سے وہ شیر خوار بچہ کی طرح روحانی طور پر دنیا میں پرورش پاتا ہے بہشت
میں ظاہر ظاہر دکھائی دے گا اور وہ خدا کی محبت کی شراب جس سے وہ دنیا میں
روحانی طور پر ہمیشہ مست رہتا تھا اب بہشت میں ظاہر ظاہر اُسکی نہریں نظر آئینگی

اور وہ حلاوت ایمانی کا شہد جو دنیا میں روحانی طور پر عارف کے مُنہ میں جاتا تھا وہ بہشت میں محسوس اور نمایاں نہروں کی طرح دکھائی دیگا اور ہر ایک بہشتی اپنی نہروں اور اپنے باغوں کے ساتھ اپنی روحانی حالت کا اندازہ برہنہ کرکے دکھلا دے گا اور خدا بھی اُس دن بہشتیوں کے لیئے حجابوں سے باہر آجائیگا غرض روحانی حالتیں مخفی نہیں رہیں گی بلکہ جسمانی طور پر نظر آئیں گی ؛

تیسرا دقیقہ معرفت۔ تیسرا دقیقہ معرفت کا یہ ہے کہ عالم معاد میں ترقیات غیر متناہی ہونگی اس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ نُوْرُهُمْ یَسْعٰی بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَبِاَیْمَانِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۔ یعنی جو لوگ دنیا میں ایمان کا نور رکھتے ہیں اُنکا نور قیامت کو انکے آگے اور اُنکے داہنی طرف دوڑتا ہوگا وہ ہمیشہ یہی کہتے رہیں گے کہ اے خدا ہمارے نور کو کمال تک پُہنچا اور اپنی مغفرت کے اندر ہمیں لے لے تو ہر چیز پر قادر ہے اس آیت میں یہ جو فرمایا کہ وہ ہمیشہ یہی کہتے رہینگے کہ ہمارے نور کو کمال تک پُہنچا یہ ترقیات غیر متناہیہ کی طرف اشارہ ہے یعنی ایک کمال نورانیت کا اُنہیں حاصل ہوگا پھر دوسرا کمال نظر آئیگا اُسکو دیکھ کر پہلے کمال کو ناقص پائیں گے پس کمال ثانی کے حصول کے لیئے التجا کرینگے اور جب وہ حاصل ہوگا تو ایک تیسرا مرتبہ کمال کا انپر ظاہر ہوگا۔ پھر اسکو دیکھکر پہلے کمالات کو ہیچ سمجھیں گے اور اس کی خواہش کرینگے یہی ترقیات کی خواہش ہے جو اَتْمِمْ کے لفظ سے سمجھی جاتی ہے ؛

غرض اسی طرح غیر متناہی سلسلہ ترقیات کا چلا جائیگا تنزل کبھی نہیں ہوگا اور نہ کبھی بہشت سے نکالے جائیں گے بلکہ ہر روز آگے بڑھیں گے اور پیچھے نہ ہٹیں گے اور یہ جو فرمایا کہ وہ ہمیشہ اپنی مغفرت چاہیں گے اسجگہ سوال یہ ہے کہ جب بہشت میں

داخل ہو گئے تو پھر مغفرت میں کیا کسر رہ گئی اور جب گناہ بخشے گئے تو پھر استغفار کی کونسی حاجت رہی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مغفرت کے اصل معنے یہ ہیں نا ملائم اور ناقص حالت کو نیچے دبانا اور ڈھانکنا سو بہشتی اس بات کی خواہش کرینگے کہ کمال تام حاصل کریں اور سراسر نور میں غرق ہو جائیں وہ دوسری حالت کو دیکھکر پہلی حالت کو ناقص پائیں گے پس چاہیں گے کہ پہلی حالت نیچے دبائی جائے پھر تیسرے کمال کو دیکھ کر یہ آرزو کرینگے کہ دوسرے کمال کی نسبت مغفرت ہو یعنی وہ حالت ناقصہ نیچے دبائی جاوے اور مخفی کی جاوے اسی طرح غیر متناہی مغفرت کے خواہشمند رہیں گے یہ وہی لفظ مغفرت اور استغفار کا ہے جو بعض نادان بطور اعتراض ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت پیش کیا کرتے ہیں سو ناظرین نے اسجگہ سے سمجھ لیا ہوگا کہ یہی خواہش استغفار فخر انسان ہے جو شخص کسی عورت کے پیٹ سے پیدا ہوا اور پھر ہمیشہ کے لئے استغفار اپنی عادت نہیں پکڑتا وہ کیڑا ہے نہ انسان اور اندھا ہے نہ سوجاکھا اور ناپاک ہے نہ طیب۔

اب خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن شریف کی رو سے دوزخ اور بہشت دونوں اصل میں انسان کی زندگی کے اظلال اور آثار ہیں۔ کوئی ایسی نئی جسمانی چیز نہیں ہے کہ جو دوسری جگہ سے آوے۔ یہ سچ ہے کہ وہ دونوں جسمانی طور سے متمثل ہونگے مگر وہ اصل روحانی حالتوں کے اظلال و آثار ہوں گے ہم لوگ ایسی بہشت کے قائل نہیں کہ صرف جسمانی طور پر ایک زمین پر درخت لگائے گئے ہوں اور نہ ایسی دوزخ کے ہم قائل ہیں جس میں درحقیقت گندھک کے پتھر ہیں بلکہ اسلامی عقیدہ کے موافق بہشت دوزخ انہی اعمال کے انعکاسات ہیں جو دنیا میں انسان کرتا ہے۔

تیسرا سوال
دنیا میں زندگی کے مدعا کیا ہیں اور انکا حصول کس طرح ہوتا ہے

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ مختلف الطبائع انسان اپنی کوتہ فہمی یا پست ہمتی سے مختلف طور کے مدعا اپنی زندگی کے لیئے ٹھہراتے ہیں اور فقط دنیا کے مقاصد اور آرزوؤں تک چلکر آگے ٹھہر جاتے ہیں مگر وہ مدعا جو خدائے تعالیٰ اپنے پاک کلام میں بیان فرماتا ہے یہ ہے۔ فرماتا ہے۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ یعنی میں نے جن اور انسان کو اسی لیئے پیدا کیا ہے کہ وہ مجھے پہچانیں اور میری پرستش کریں پس اس آیت کی رو سے اصل مدعا انسان کی زندگی کا خدا تعالیٰ کی پرستش اور خدا تعالیٰ کی معرفت اور خدا تعالیٰ کے لیئے ہو جانا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ انسان کو یہ تو مرتبہ حاصل نہیں ہے کہ اپنی زندگی کا مدعا اپنے اختیار سے آپ مقرر کرے کیونکہ انسان نہ اپنی مرضی سے آتا ہے اور نہ اپنی مرضی سے واپس جائیگا بلکہ وہ ایک مخلوق ہے اور جس نے پیدا کیا اور تمام حیوانات کی نسبت عمدہ اور اعلیٰ قویٰ اس کو عنایت کیئے اسی نے اسکی زندگی کا ایک مدعا ٹھہرا رکھا ہے خواہ کوئی انسان اس مدعا کو سمجھے یا نہ سمجھے مگر انسان کی پیدائش کا مدعا بلاشبہ خدا کی پرستش اور خدا تعالیٰ کی معرفت اور خدا تعالیٰ میں فانی ہو جانا ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں ایک اور جگہ فرماتا ہے اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۔ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۔ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِىْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا یعنی وہ دین جس میں خدا کی معرفت صحیح اور اُس کی پرستش احسن طور پر ہے وہ اسلام ہے اور اسلام انسان کی فطرت میں رکھا گیا ہے اور خدا تعالیٰ نے انسان کو اسلام پر پیدا کیا اور اسلام کے لیئے پیدا کیا ہے یعنی یہ چاہا ہے کہ انسان اپنے تمام

قوتوں کے ساتھ اس کی پرستش اور اطاعت اور محبت میں لگ جائے اسی وجہ سے اُس قادر کریم نے انسان کو تمام قوی اسلام کے مناسب حال عطا کئے ہیں ان آیتوں کی تفصیل بہت بڑی ہے اور ہم کسیقدر پہلے سوال کے تیسرے حصہ میں لکھ بھی چکے ہیں لیکن اب ہم مختصر طور پر صرف یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ انسان کو جو کچھ اندرونی اور بیرونی اعضاء دیئے گئے ہیں یا جو کچھ قوتیں عنایت ہوئی ہیں اصل مقصود اُن سے خدا کی معرفت اور خدا کی پرستش اور خدا کی محبت ہے اسی وجہ سے انسان دنیا میں ہزاروں شغلوں کو اختیار کر کے پھر بھی بجز خدا کے اپنی سچی خوشحالی کسی میں نہیں پاتا۔ بڑا دولتمند ہو کر بڑا عہدہ پاکر بڑا تاجر بنکر بڑی بادشاہی تک پہنچکر بڑا فلاسفر کہلا کر آخران دنیوی گرفتاریوں سے بڑی حسرتوں کے ساتھ جاتا ہے اور ہمیشہ دل اس کا دنیا کے استغراق سے اسکو ملزم کرتا رہتا ہے اور اسکے مکروں اور فریبوں اور ناجائز کاموں میں کبھی اس کا کانشنس اس سے اتفاق نہیں کرتا۔ ایک دانا انسان اس مسئلہ کو اس طرح بھی سمجھ سکتا ہے کہ جس چیز کے قوی ایک اعلیٰ سے اعلیٰ کام کر سکتے ہیں اور پھر آگے جا کر ٹھہر جاتے ہیں وہی اعلیٰ کام اسکی پیدائش کی علت غائی سمجھی جاتی ہے مثلاً بیل کا کام اعلیٰ سے اعلیٰ قلبہ رانی یا آبپاشی یا بار برداری ہے اس سے زیادہ اسکی قوتوں میں کچھ ثابت نہیں ہوا سو بیل کی زندگی کا مدعا یہی تین چیزیں ہیں اس سے زیادہ کوئی قوت اسمیں پائی نہیں جاتی مگر جب ہم انسان کی قوتوں کو ٹٹولتے ہیں کہ ان میں اعلیٰ سے اعلیٰ کونسی قوت ہے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ خدائے اعلیٰ برتر کی اس میں تلاش پائی جاتی ہے یہانتک کہ وہ چاہتا ہے کہ خدا کی محبت میں ایسا گداز اور محو ہو کہ اس کا اپنا کچھ بھی

نذر ہے سب خدا کا ہوجائے وہ کھانے اور سونے وغیرہ طبعی امور میں دوسرے حیوانات کو اپنا شریک غالب رکھتا ہے۔ صنعت کاری میں بعض حیوانات اس سے بہت بڑھے ہوئے ہیں بلکہ شہد کی مکھیاں بھی ہر ایک پھول کا عطر نکال کر ایسا شہد نفیس پیدا کرتی ہیں کہ ابتک اس صنعت میں انسان کو کامیابی نہیں ہوئی۔ پس ظاہر ہے کہ انسان کا اعلیٰ کمال خدائے تعالیٰ کا وصال ہے لہٰذا اس کی زندگی کا اصل مدعا یہی ہے کہ خدا کی طرف اس کے دل کی کھڑکی کھلے۔ ہاں اگر یہ سوال ہو کہ یہ مدعا کیونکر اور کس طرح حاصل ہو سکتا ہے اور کن وسائل سے انسان اسکو پا سکتا ہے پس واضح ہو کہ سب سے بڑا وسیلہ جو اس مدعا کے پانیکے لئے شرط ہے وہ یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کو صحیح طور پہچانا جائے اور سچے خدا پر ایمان لایا جائے کیونکہ اگر پہلا قدم ہی غلط ہے اور کوئی شخص مثلاً پرند یا چرند یا عناصر یا انسان کے بچہ کو خدا سمجھ بیٹھا ہے تو پھر دوسرے قدموں میں اس کے راہ راست پر چلنے کی کیا اُمید ہے سچا خدا اسکے ڈھونڈنے والوں کو مدد دیتا ہے مگر مردہ مُردہ کو کیونکر مدد دے سکتا ہے اس میں اللہ جلشانہٗ نے خوب تمثیل فرمائی ہے اور وہ یہ ہے لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ یعنی دعا کرنیکے لائق وہی سچا خدا ہے جو ہر ایک بات پر قادر ہے اور جو لوگ اُس کے سوا اوروں کو پکارتے ہیں وہ کچھ بھی انکو جواب نہیں دے سکتے انکی مثال ایسی ہے کہ جیسا کوئی پانی کی طرف ہاتھ پھیلا دے کہ اے پانی میرے مُنہ میں آجا تو کیا وہ اسکے مُنہ میں آجائے گا ہرگز نہیں۔ سو جو لوگ سچے خدا سے بیخبر ہیں اُنکی تمام دعائیں باطل ہیں۔ دوسرا وسیلہ خدائے تعالیٰ کے اُس حسن و جمال پر اطلاع پانا ہے جو باعتبار کمال تام کے اُس میں پایا جاتا ہے

کیونکہ حُسن ایک ایسی چیز ہے جو بالطبع دل اُسکی کی طرف کھینچا جاتا ہے اور اُسکے مشاہدہ سے طبعاً محبت پیدا ہوتی ہے تو حُسن باری تعالیٰ اُس کی وحدانیت اور اُسکی عظمت اور بزرگی اور صفات ہیں جیسا کہ قرآن شریف نے فرمایا ہے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ یعنی خدا اپنی ذات اور صفات اور جلال میں ایک ہے کوئی اُس کا شریک نہیں سب اسکے حاجتمند ہیں ذرہ ذرہ اُس سے زندگی پاتا ہے وہ کُل چیزوں کے لیئے مبدء فیض ہے اور آپ کسی سے فیضیاب نہیں وہ نہ کسی کا بیٹا ہے اور نہ کسی کا باپ اور کیونکر ہو کہ اُس کا کوئی ہم ذات نہیں۔ قرآن نے بار بار خدا کا کمال پیش کرکے اور اُسکی عظمتیں دکھلاکے لوگوں کو توجہ دلائی ہے کہ دیکھو ایسا خدا دلوں کا مرغوب ہے نہ کہ مُردہ اور کمزور اور کم رحم اور کم قدرت۔

تیسرا وسیلہ جو مقصود حقیقی تک پہنچنے کے لیئے درجہ کا زینہ ہے خدائے تعالیٰ کے احسان پر اطلاع پانا ہے کیونکہ محبت کی محرک دو ہی چیزیں ہیں حُسن یا احسان اور خدائے تعالیٰ کی احسانی صفات کا خلاصہ سورہ فاتحہ میں پایا جاتا ہے جیسا کہ وُہ فرماتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کیونکہ ظاہر ہے کہ احسان کامل اس میں ہے کہ خدائے تعالیٰ اپنے بندوں کو محض نابود سے پیدا کرے اور پھر ہمیشہ اُس کی ربوبیت ان کے شامل حال ہو اور وہی ہر ایک چیز کا آپ سہارا ہو اور پھر اُسکی تمام قسم کی رحمتیں اُسکے بندوں کے لیئے ظہور میں آئی ہوں اور اُسکا احسان بے انتہا ہو جسکا کوئی شمار نہ کرسکے سو ایسے احسانوں کو خدائے تعالیٰ نے بار بار جتلایا ہے جیسا کہ ایک اور جگہ فرماتا ہے وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا یعنی اگر خدائے تعالیٰ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو ہرگز گن نہ سکوگے۔ چوتھا وسیلہ خدائے تعالیٰ نے

اصل مقصود کے پانیکے لیئے دعا کو ٹھہرایا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ یعنی تم دعا کرو میں قبول کروں گا۔ اور بار بار دعا کے لیئے رغبت دلائی ہے تا انسان اپنی طاقت سے نہیں بلکہ خدا کی طاقت سے پاوے۔ پانچواں وسیلہ اصل مقصود کے پانیکے لیئے خدائے تعالیٰ نے مجاہدہ ٹھہرایا ہے یعنی اپنا مال خدا کی راہ میں خرچ کرنیکے ذریعہ سے اور اپنی طاقتوں کو خدا کی راہ میں خرچ کرنیکے ذریعہ سے اور اپنی جان کو خدا کی راہ میں خرچ کرنیکے ذریعہ سے اور اپنی عقل کو خدا کی راہ میں خرچ کرنیکے ذریعہ سے اسکو ڈھونڈا جائے جیسا کہ وہ فرماتا ہے جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ٥ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا یعنی اپنے مالوں اور اپنی جانوں اور اپنے نفسوں کو مع انکی طاقتوں کے خدا کی راہ میں خرچ کرو اور جو کچھ ہم نے عقل اور علم اور فہم اور ہنر وغیرہ تمکو دیا ہے وہ سب کچھ خدا کی راہ میں لگاؤ۔ جو لوگ ہماری راہ میں ہر ایک طور سے کوشش بجالاتے ہیں ہم انکو اپنی راہیں دکھادیا کرتے ہیں۔ چھٹا وسیلہ اصل مقصود کے پانیکے لیئے استقامت کو بیان فرمایا گیا ہے یعنی اس راہ میں درماندہ اور عاجز نہ ہو اور تھک نہ جائے اور امتحان سے ڈر نہ جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ٥ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ یعنی وہ لوگ جنھوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور باطل خداؤں سے الگ ہو گئے پھر استقامت اختیار کی یعنی طرح طرح کی آزمایشوں اور بلا کے وقت ثابت قدم رہے اُنپر فرشتے اُترتے ہیں کہ تم مت ڈرو اور مت غمگین ہو اور

خوش ہو اور خوشی میں بھر جاؤ کہ تم اس خوشی کے وارث ہو گئے جس کا تمھیں وعدہ دیا گیا ہے ہم اس دنیوی زندگی میں اور آخرت میں تمھارے دوست ہیں۔ اسجگہ ان کلمات سے یہ اشارہ فرمایا کہ استقامت سے خدائے تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے۔ یہ سچ بات ہے کہ استقامت فوق الکرامت ہے۔ کمال استقامت یہ ہے کہ چاروں طرف بلاؤں کو محیط دیکھیں اور خدا کی راہ میں جان اور عزت اور آبرو کو معرض خطر میں پاویں اور کوئی تسلّی دینے والی بات موجود نہ ہو یہانتک کہ خدائے تعالیٰ بھی امتحان کے طور پر تسلّی دینے والے کشف یا خواب یا الہام کو بند کردے اور ہولناک خوفوں میں چھوڑ دے اُسوقت نامردی نہ دکھلاویں اور بزدلوں کی طرح پیچھے نہ ہٹیں اور وفاداری کی صفت میں کوئی خلل پیدا نہ کریں۔ صدق اور ثبات میں کوئی رخنہ نہ ڈالیں۔ ذلّت پر خوش ہو جائیں موت پر راضی ہو جائیں اور ثابت قدمی کے لئے کسی دوست کا انتظار نہ کریں کہ وہ سہارا دے نہ اُسوقت خدا کی بشارتوں کے طالب ہوں کہ وقت نازک ہے اور باوجود سراسر بیکس اور کمزور ہونیکے اور کسی تسلّی کے نہ پانیکے سیدھے کھڑے ہو جائیں اور ہر چہ بادا باد کہکر گردن کو آگے رکھدیں اور قضا و قدر کے آگے دم نہ ماریں اور ہرگز بیقراری اور جزع فزع نہ دکھلاویں جبتک کہ آزمائش کا حق پورا ہو جائے یہی استقامت ہے جس سے خدا ملتا ہے یہی وہ چیز ہے جسکی رسولوں اور نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں کی خاک سے ابتک خوشبو آرہی ہے اسی کی طرف اللہ جلشانہٗ اس دعا میں اشارہ فرماتا ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ یعنی اے ہمارے خدا ہمیں استقامت کی راہ دکھلا وہی راہ جسپر تیرا انعام و اکرام مترتب ہوتا ہے اور تو راضی ہو جاتا ہے اور اسی کی طرف اس دوسری آیت میں اشارہ فرمایا

رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ہ اے خدا اس مصیبت میں ہمارے دل پر وہ سکینت نازل کر جس سے صبر آجائے اور ایسا کر کہ ہماری موت اسلام پر ہو۔ جاننا چاہیئے کہ دکھوں اور مصیبتوں کے وقت میں خدائے تعالیٰ اپنے پیارے بندوں کے دل پر ایک نور اُتارتا ہے جس سے وہ قوت پاکر نہایت اطمینان سے مصیبت کا مقابلہ کرتے ہیں اور حلاوت ایمانی سے ان زنجیروں کو بوسہ دیتے ہیں جو اُس کی راہ میں انکے پیروں میں پڑیں۔ جب باخدا آدمی پر بلائیں نازل ہوتی ہیں اور موت کے آثار ظاہر ہو جاتے ہیں تو وہ اپنے ربّ کریم سے خواہ نخواہ کا جھگڑا شروع نہیں کرتا کہ مجھے ان بلاؤں سے بچا کیونکہ اسوقت عافیت کی دعا میں اصرار کرنا خدائے تعالیٰ سے لڑائی اور موافقت تامہ کے مخالف ہے بلکہ سچا محبّ بلا کے اُترنے سے اور آگے قدم رکھتا ہے اور ایسے وقت میں جان کو ناچیز سمجھکر اور جان کی محبت کو الوداع کہکر اپنے مولیٰ کی مرضی کا بکلی تابع ہو جاتا ہے اور اُس کی رضا چاہتا ہے اُسی کے حق میں اللہ جلشانہٗ فرماتا ہے وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ ہ یعنی خدا کا پیارا بندہ اپنی جان خدا کی راہ میں دیتا ہے اور اُس کے عوض میں خدا کی مرضی خرید لیتا ہے وہی لوگ ہیں جو خدا کی رحمت خاص کے مورد ہیں۔ غرض وہ استقامت جس سے خدا ملتا ہے اُسکی یہی روح ہے جو بیان کی گئی جس کو سمجھنا ہو سمجھ لے۔ ساتواں وسیلہ اصل مقصود کے پانیکے لیے راستبازوں کی صحبت اور اُنکے کامل نمونوں کو دیکھنا ہے۔ پس جاننا چاہیئے کہ انبیاءؑ کی ضرورتوں میں سے ایک یہ بھی ضرورت ہے کہ انسان طبعاً کامل نمونہ کا محتاج ہے اور کامل نمونہ شوق کو زیادہ کرتا ہے اور ہمت کو بڑھاتا ہے اور جو نمونے کا پیرو نہیں وہ سُست ہو جاتا ہے اور بہک جاتا

ہے اسی کی طرف اللہ جل شانہٗ اس آیت میں اشارہ فرماتا ہے کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ۔ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ یعنی تم اُن لوگوں کی صحبت اختیار کرو جو راستباز ہیں۔ اُن لوگوں کی راہیں سیکھو جن پر تم سے پہلے فضل ہو چکا ہے۔ آٹھواں وسیلہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے پاک کشف اور پاک الہام اور پاک خوابیں ہیں چونکہ خدائے تعالیٰ کی طرف سفر کرنا ایک نہایت دقیق در دقیق راہ ہے اور اس کے ساتھ طرح طرح کے مصائب اور دُکھ لگے ہوئے ہیں اور ممکن ہے کہ انسان اس نادیدہ راہ میں بھول جاوے یا ناامیدی طاری ہو اور آگے قدم بڑھانا چھوڑ دے اس لیئے خدائے تعالیٰ کی رحمت نے چاہا کہ اپنی طرف سے اس سفر میں ساتھ ساتھ اس کو تسلی دیتی رہے اور اس کی دلدہی کرتی رہے اور اس کی کمر ہمت باندھتی رہے اور اس کے شوق کو زیادہ کرے۔ سو اُس کی سنت اس راہ کے مسافروں کے ساتھ اسطرح پر واقعہ ہے کہ وہ وقتاً فوقتاً اپنے کلام اور الہام سے اُن کو تسلی دیتا اور اُن پر ظاہر کرتا ہے کہ مَیں تمہارے ساتھ ہوں تب وہ قوت پاکر بڑے زور سے اس سفر کو طے کرتے ہیں چنانچہ اس بارے میں وہ فرماتا ہے لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ اسی طرح اور بھی کئی وسائل ہیں جو قرآن شریف نے بیان فرمائے ہیں مگر افسوس اندیشہ طول کی وجہ سے اُن کو بیان نہیں کر سکتے ؛

چوتھا سوال یہ ہے کہ

زندگی میں اور زندگی کے بعد عملی شریعت کا فعل کیا ہے؟

اس سوال کا جواب وہی ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ خدا کی سچی اور کامل شریعت کا فعل جو اس کی زندگی میں انسان کے دلپر ہوتا ہے کہ اس کو وحشیانہ حالت سے انسان بناوے اور پھر با اخلاق انسان سے باخدا انسان بنادے اور نیز اس کی زندگی میں عملی شریعت کا ایک فعل یہ ہے کہ شریعت حقہ پر قائم ہو جانے سے ایسے شخص کا بنی نوع پر یہ اثر ہوتا ہے کہ وہ

پھر انسان سے با اخلاق انسان بنانا دوم

درجہ بدرجہ اُن کے حقوق کو پہچانتا ہے اور عدل اور احسان اور ہمدردی کی قوتوں کو اپنے اپنے محل پر استعمال کرتا ہے اور جو کچھ خدا نے اس کو علم اور معرفت اور مال اور آسائش میں سے حصہ دیا ہے سب لوگوں کو حسب مراتب ان نعمتوں میں شریک کر دیتا ہے وہ تمام بنی نوع پر سورج کی طرح اپنی روشنی ڈالتا ہے اور چاند کی طرح حضرت اعلیٰ سے نور پا کر وہ نور دوسروں تک پہنچاتا ہے۔ وہ دن کی طرح روشن ہو کر نیکی اور بھلائی کی راہیں لوگوں کو دکھاتا ہے وہ رات کی طرح ہر ایک ضعیف کی پردہ پوشی کرتا ہے اور تھکوں اور ماندوں کو آرام پہنچاتا ہے وہ آسمان کی طرح ہر ایک حاجتمند کو اپنے سایہ کے نیچے جگہ دیتا ہے اور وقتوں پر اپنے فیض کی بارشیں برساتا ہے وہ زمین کی طرح کمال انکسار سے ہر ایک آدمی کی آسائش کے لیے بطور فرش کے ہو جاتا اور سب کو اپنی کنار عاطفت میں لے لیتا اور طرح طرح کے روحانی میوے اُن کے لیے پیش کرتا ہے سو یہی کامل شریعت کا اثر ہے کہ کامل شریعت پر قائم ہونیوالا حق اللہ اور حق العباد کو کمال کے نقطہ تک پہنچا دیتا ہے خدا میں وہ محو ہو جاتا ہے اور مخلوق کا سچا خادم بنجاتا ہے۔ یہ تو عملی شریعت کا اس زندگی میں اثر ہے مگر زندگی کے بعد جو اثر ہے وہ یہ ہے کہ خدا کا روحانی اتصال اُس روز کھلے کھلے دیدار کے طور پر اس کو نظر آئے گا اور خلق اللہ کی خدمت جو اس نے خدا کی محبت میں ہو کر کی جس کا محرک ایمان اور اعمال صالحہ کی خواہش تھی وہ بہشت کے درختوں اور نہروں کی طرح متمثل ہو کر دکھائی دیگی اس میں خدائے تعالیٰ کا فرمان ہے وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا۔ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا۔ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا۔ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا۔ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا۔ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا۔ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا۔ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا۔ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا۔ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰهَا۔ اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰهَا۔ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا۔ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا

فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْبِهِمْ فَسَوّٰهَا - وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا

یعنی قسم ہے سورج کی اور اُس کی روشنی کی اور قسم ہے چاند کی جب پیروی کرے سورج کی یعنی سورج سے نور حاصل کرے اور پھر سورج کی طرح اس نور کو دوسروں تک پہنچاوے اور قسم ہے دن کی جب سورج کی صفائی دکھاوے اور راہوں کو نمایاں کرے اور قسم ہے رات کی جب اندھیرا کرے اور اپنے پردہ تاریکی میں سب کو لے لے اور قسم ہے آسمان کی اور اس علت غائی کی جو آسمان کی اس بنا کا موجب ہوئی اور قسم ہے زمین کی اور اُس علت غائی کی جو زمین کے اس قسم کے فرش کا موجب ہوئی اور قسم ہے نفس کی اور نفس کے اُس کمال کی جس نے ان سب چیزوں کے ساتھ اسکو برابر کر دیا یعنی وہ کمالات جو متفرق طور پر ان چیزوں میں پائے جاتے ہیں کامل انسان کا نفس ان سب کو اپنے اندر جمع رکھتا ہے اور جیسے یہ تمام چیزیں علیحدہ علیحدہ نوع انسان کی خدمت کر رہی ہیں کامل انسان ان تمام خدمات کو اکیلا بجالاتا ہے جیسا کہ میں ابھی لکھ چکا ہوں اور پھر فرماتا ہے کہ وہ شخص نجات پا گیا اور موت سے بچ گیا جس نے اس طرح پر نفس کو پاک کیا یعنی سورج اور چاند اور زمین وغیرہ کی طرح خدا میں محو ہو کر خلق اللہ کا خادم بنا ؀

یاد رہے کہ حیات سے مراد حیات جاودانی ہے جو آئندہ کامل انسان کو حاصل ہوگی یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عملی تربیت کا پھل آئندہ زندگی میں حیات جاودانی ہے جو خدا کے دیدار کی غذا سے ہمیشہ قائم رہے گی اور پھر فرمایا کہ وہ شخص ہلاک ہو گیا اور زندگی سے نا اُمید ہو گیا جس نے اپنے نفس کو خاک میں ملا دیا اور جن کمالات کی اس کو استعداد دی گئی تھی اُن کمالات کو حاصل نہ کیا اور گندی زندگی بسر کر کے واپس گیا اور پھر مثال کے طور پر فرمایا کہ ثمود کا قصہ اُس بدبخت کے قصہ سے مشابہ ہے انہوں نے اُس اونٹنی کو زخمی کیا جو خدا کی اونٹنی کہلاتی تھی اور اپنے چشمہ

سے پانی پینے سے اُس کو روکا۔ سو اس شخص نے درحقیقت خدا کی اونٹنی کو زخمی کیا اور اُس کو اُس چشمہ سے محروم رکھا۔ یہ اسبات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کا نفس خدا کی اونٹنی ہے جس پر وہ سوار ہوتا ہے یعنی انسان کا دل الٰہی تجلیات کی جگہ ہے اور اس اونٹنی کا پانی خدا کی محبت اور معرفت ہے جس سے وہ جیتی ہے اور پھر فرمایا کہ ثمود نے جب اونٹنی کو زخمی کیا اور اُس کو اُس کے پانی سے روکا تو اُنپر عذاب نازل ہوا۔ اور خدائے تعالیٰ نے اس بات کی کچھ بھی پروا نہ کی کہ ان کے مرنیکے بعد انکے بچوں اور بیواؤں کا کیا حال ہوگا۔ سو ایسا ہی جو شخص اس اونٹنی یعنی نفس کو زخمی کرتا ہے اور اس کو کمال تک پہنچانا نہیں چاہتا۔ اور پانی پینے سے روکتا ہے وہ بھی ہلاک ہوگا۔ اسجگہ یہ بھی یاد رہے کہ خدا کا سورج اور چاند وغیرہ کی قسم کھانا ایک نہایت دقیق حکمت پر مشتمل ہے جس سے ہمارے اکثر مخالف ناواقف ہونیکی وجہ سے اعتراض کر بیٹھتے ہیں کہ خدا کو قسموں کی کیا ضرورت پڑی اور اُس نے مخلوق کی کیوں قسمیں کھائیں لیکن چونکہ اُن کی سمجھ زمینی ہے نہ آسمانی اس لیئے وہ معارف حقہ کو سمجھ نہیں سکتے۔ سو واضح ہو کہ قسم کھانے سے اصل مدعا یہ ہوتا ہے کہ قسم کھانے والا اپنے دعوے کے لیئے ایک گواہی پیش کرنا چاہتا ہے کیونکہ جسکے دعوے پر اور کوئی گواہ نہیں ہوتا وہ بجائے گواہ کے خدائے تعالیٰ کی قسم کھاتا ہے اس لیئے کہ خدا عالم الغیب ہے اور ہر ایک مقصد میں وہ پہلا گواہ ہے گویا وہ خدا کی گواہی اس طرح پیش کرتا ہے کہ اگر خدائے تعالیٰ اس قسم کے بعد خاموش رہا اور اُس پر عذاب نازل نہ کیا تو گویا اُس نے اس شخص کے بیان پر گواہوں کی طرح مُہر لگادی اس لیئے مخلوق کو نہیں چاہیئے کہ دوسری مخلوق کی قسم کھاوے کیونکہ مخلوق عالم الغیب نہیں ہے اور نہ جھوٹی قسم پر سزا دینے پر قادر ہے مگر خدا کی قسم ان آیات میں ان معنوں سے نہیں جیسا کہ مخلوق کی قسم میں مراد لیجاتی ہے بلکہ اس میں یہ سنّت اللہ ہے کہ

قرآن شریف میں جو مختلف چیزوں کی قسمیں آئی ہیں اُن کی فلاسفی

خدا کے دو قسم کے کام ہیں ایک بدیہی جو سب کی سمجھ میں آ سکتے ہیں اور اُن میں کسی کو اختلاف نہیں اور دوسرے وہ کام جو نظری ہیں جن میں دنیا غلطیاں کھاتی ہے اور باہم اختلاف رکھتی ہے سو خدائے تعالیٰ نے چاہا کہ بدیہی کاموں کی شہادت سے نظری کاموں کو لوگوں کی نظر میں ثابت کرے۔

پس یہ تو ظاہر ہے کہ سورج اور چاند اور دن اور رات اور آسمان اور زمین میں وہ خواص درحقیقت پائے جاتے ہیں جن کو ہم ذکر کر چکے ہیں مگر جو اس قسم کے خواص انسان کے نفس ناطقہ میں موجود ہیں ان سے ہر ایک شخص آگاہ نہیں۔ سو خدا نے اپنے بدیہی کاموں کو نظری کاموں کے کھولنے کے لئے بطور گواہ کے پیش کیا ہے گویا فرماتا ہے کہ اگر تم ان خواص سے شک میں ہو جو نفس ناطقہ انسانی میں پائے جاتے ہیں تو چاند اور سورج وغیرہ میں غور کرو کہ ان میں بدیہی طور پر یہ خواص موجود ہیں اور تم جانتے ہو کہ انسان ایک عالم صغیر ہے جس کے نفس میں تمام عالم کا نقشہ اجمالی طور پر مرکوز ہے پھر جبکہ یہ ثابت ہے کہ عالم کبیر کے بڑے بڑے اجرام یہ خواص اپنے اندر رکھتے ہیں اور اسی طرح پر مخلوقات کو فیض پہنچا رہے ہیں تو انسان جو ان سب سے بڑا کہلاتا ہے اور بڑے درجہ کا پیدا کیا گیا ہے وہ کیونکر ان خواص سے خالی اور بے نصیب ہوگا نہیں بلکہ اس میں بھی سورج کی طرح ایک علمی اور عقلی روشنی ہے جس کے ذریعہ سے وہ تمام دنیا کو منور کر سکتا ہے اور چاند کی طرح وہ حضرتِ اعلیٰ سے کشف اور الہام اور وحی کا نور پاتا ہے اور دوسروں تک جنہوں نے انسانی کمال ابھی تک حاصل نہیں کیا اس نور کو پہنچاتا ہے پھر کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ نبوت باطل ہے اور تمام رسالتیں اور شریعتیں اور کتابیں انسان کی مکاری اور خود غرضی ہے یہ بھی دیکھتے ہو کہ کیونکر دن کے روشن ہونے سے تمام راہیں روشن ہو جاتی ہیں تمام نشیب و فراز نظر آجاتے ہیں سو کامل انسان روحانی روشنی کا دن ہے

اس کے چڑھنے سے ہر ایک راہ نمایاں ہو جاتی ہے وہ سچی راہ کو دکھلا دیتا ہے کہ کہاں اور کدھر ہے کیونکہ راستی اور سچائی کا وہی روز روشن ہے ایسا ہی یہ بھی مشاہدہ کر رہے ہو کہ رات کیسی تھکوں ماندوں کو جگہ دیتی ہے تمام دن کے شکستہ کوفتہ مزدور رات کے کنار عاطفت میں بخوشی سوتے ہیں اور محنتوں سے آرام پاتے ہیں اور رات ہر ایک کے لیئے پردہ پوش بھی ہے ایسا ہی خدا کے کامل بندے دنیا کو آرام دینے کے لیئے آتے ہیں۔ خدا سے وحی اور الہام پانے والے تمام عقلمندوں کو جانکاہی سے آرام دیتے ہیں انکی طفیل سے بڑے بڑے معارف آسانی کے ساتھ حل ہو جاتے ہیں۔ ایسا ہی خدا کی وحی انسانی عقل کی پردہ پوشی کرتی ہے اس کی ناپاک خطاؤں کو دنیا پر ظاہر ہونے نہیں دیتی کیونکہ عقلمند وحی کی روشنی کو پا کر اندر ہی اندر اپنی غلطیوں کی اصلاح کر لیتے ہیں اور خدا کے پاک الہام کی برکت سے اپنے تئیں پردہ دری سے بچا لیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ افلاطون کی طرح اسلام کے کسی فلاسفر نے کسی بت پر مرغ کی قربانی نہ چڑھائی چونکہ افلاطون اسلام کی روشنی سے بے نصیب تھا اسلیئے دھوکا کھا گیا اور ایسا فلاسفر کہلا کر یہ مکروہ اور احمقانہ حرکت اس سے صادر ہوئی مگر اسلام کے حکما کو ایسے ناپاک اور احمقانہ حرکتوں سے ہمارے سید و مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی نے بچا لیا۔ اب دیکھو کیسا ثابت ہوا کہ الہام عقلمندوں کا رات کی طرح پردہ پوش ہے۔ یہ بھی آپ لوگ جانتے ہیں کہ خدا کے کامل بندے آسمان کی طرح ہر ایک درماندہ کو اپنے سایہ میں لے لیتے ہیں۔ خاصکر اس ذات پاک کے انبیاء اور الہام پانیوالے عام طور پر آسمان کی طرح فیض کی بارشیں برساتے ہیں ایسا ہی زمین کی خاصیت بھی اپنے اندر رکھتے ہیں انکے نفس نفیس سے طرح طرح کے علوم عالیہ کے درخت نکلتے ہیں جن کے سایہ اور پھل اور پھول سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں سو یہ کھلا کھلا قانون قدرت

جو ہماری نظر کے سامنے ہے اسی چھپے ہوئے قانون کا ایک گواہ ہے جس کی گواہی کو
قسموں کے پیرایہ میں خدائے تعالیٰ نے ان آیات میں پیش کیا ہے سو دیکھو کہ یہ
کسقدر پُر حکمت کلام ہے جو قرآن شریف میں پایا جاتا ہے۔ یہ اسکے منہ سے نکلا ہے
جو ایک اُمّی اور بیابان کے رہنے والا تھا۔ اگر یہ خدا کا کلام نہ ہوتا تو اس طرح عام
عقلیں اور وہ تمام جو تعلیم یافتہ کہلاتے ہیں اسکے اس دقیق نکتہ معرفت سے
عاجز آکر اعتراض کی صورت میں اس کو نہ دیکھتے۔ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ انسان
جب ایک بات کو کسی پہلو سے بھی اپنی مختصر عقل کے ساتھ نہیں سمجھ سکتا تب
ایک حکمت کی بات کو جائے اعتراض ٹھہرا لیتا ہے اور اس کا اعتراض اس بات کا
گواہ ہو جاتا ہے کہ وہ دقیقہ حکمت عام عقلوں سے برتر و اعلیٰ تھا تب ہی تو
عقلمندوں نے عقلمند کہلا کر پھر بھی اسپر اعتراض کر دیا مگر اب جو یہ راز کھل گیا
تو اب اس کے بعد کوئی عقلمند اسپر اعتراض نہیں کرے گا بلکہ اس سے لذّت
اُٹھائیگا۔ یاد رہے کہ قرآن شریف نے وحی اور الہام کی سُنّت قدیمہ پر
قانون قدرت سے گواہی لانے کے لیئے ایک اور مقام میں بھی اسی قسم کی
قسم کھائی ہے اور وہ یہ ہے وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ وَالْاَرْضِ
ذَاتِ الصَّدْعِ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ۔
یعنی اُس آسمان کی قسم ہے جس کی طرف سے بارش آتی ہے اور اس زمین
کی قسم ہے جو بارش سے طرح طرح کی سبزیاں نکالتی ہے کہ یہ قرآن خدا کا کلام ہے
اور اُس کی وحی ہے اور وہ باطل اور حق میں فیصلہ کرنیوالا ہے اور عبث اور
بیہودہ نہیں یعنی بے وقت نہیں آیا موسم کے مینہ کی طرح آیا ہے۔ اب خدا تعالیٰ
نے قرآن شریف کے ثبوت کے لیئے جو اُس کی وحی ہے ایک کُھلے کُھلے قانون قدرت
کو قسم کے رنگ میں پیش کیا یعنی قانون قدرت میں ہمیشہ یہ بات مشہود اور مرئی ہے

کہ ضرورتوں کے وقت آسمان سے بارش ہوتی ہے اور تمام مدار زمین کی سرسبزی کا آسمان کی بارش پر ہے اگر آسمان سے بارش نہ ہو تو رفتہ رفتہ کنوئیں بھی خشک ہو جاتے ہیں۔ پس دراصل زمین کے پانی کا وجود بھی آسمان کی بارش پر موقوف ہے اسی وجہ سے جب کبھی آسمان سے پانی برستا ہے تو زمین کے کنوؤں کا پانی چڑھ آتا ہے کیوں چڑھ آتا ہے اس کا یہی سبب ہے کہ آسمانی پانی زمین کے پانی کو اوپر کی طرف کھینچتا ہے۔ یہی رشتہ وحی اللہ اور عقل میں ہے۔ وحی اللہ یعنی الہام الٰہی آسمانی پانی ہے اور عقل زمینی پانی ہے اور یہ پانی ہمیشہ آسمانی پانی سے جو الہام ہے تربیت پاتا ہے۔ اور اگر آسمانی پانی یعنی وحی ہونا بند ہو جائے تو یہ زمینی پانی بھی رفتہ رفتہ خشک ہو جاتا ہے کیا اسکے واسطے یہ دلیل کافی نہیں کہ جب ایک زمانہ دراز گذر جاتا ہے اور کوئی الہام یافتہ زمین پر پیدا نہیں ہوتا تو عقلمندوں کی عقلیں نہایت گندی اور خراب ہو جاتی ہیں زمینی پانی خشک ہو جاتا ہے اور سڑ جاتا ہے۔

اس کے سمجھنے کے لیئے اس زمانہ پر ایک نظر ڈالنا کافی ہے جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے پہلے اپنا رنگ تمام دنیا میں دکھلا رہا تھا۔ چونکہ اس وقت حضرت مسیح کے زمانہ کو چھ سو برس گذر گئے تھے اور اس عرصہ میں کوئی الہام یافتہ پیدا نہیں ہوا تھا اس لیئے تمام دنیا نے اپنی حالت کو خراب کر دیا تھا ہر ایک ملک کی تاریخیں پکار پکار کر کہتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مگر آپ کے ظہور سے پہلے تمام دنیا میں خیالات فاسدہ پھیل گئے تھے ایسا کیوں ہوا تھا اور اس کا کیا سبب تھا یہی تو تھا کہ الہام کا سلسلہ مدتوں تک بند ہو گیا تھا۔ آسمانی سلطنت صرف عقل کے ہاتھ میں تھی پس اس ناقص عقل نے کن کن خرابیوں میں لوگوں کو ڈالا کیا اس سے کوئی ناواقف بھی ہے دیکھو الہام کا پانی جب مدت تک نہ برسا تو عقلوں کا پانی کیسا خشک ہو گیا سو ان قسموں میں یہی قانون قدرت اللہ تعالیٰ پیش کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ

تم غور کر کے دیکھو کہ کیا خدا کا یہ حکم اور دائمی قانون قدرت نہیں کہ زمین کی تمام سرسبزی کا مدار آسمان کا پانی ہے۔ سو اس پوشیدہ قانون قدرت کے لیئے جو الہام الٰہی کا سلسلہ ہے یہ کھلا کھلا قانونِ قدرت بطور گواہ کے ہے سو اس گواہ سے فائدہ اٹھاؤ اور صرف عقل کو اپنا رہبر مت بناؤ کہ وہ ایسا پانی نہیں جو آسمانی پانی کے سوا موجود رہ سکے جس طرح آسمانی پانی کا یہ خاصہ ہے کہ خواہ کسی کنوئیں میں اس کا پانی پڑے یا نہ پڑے وہ اپنی طبعی خاصیت سے تمام کنوؤں کے پانی کو اوپر چڑھا دیتا ہے ایسا ہی جب خدا کا ایک الہام یافتہ دنیا میں ظہور فرماتا ہے خواہ کوئی عقلمند اس کی پیروی کرے یا نہ کرے مگر اس الہام یافتہ کے زمانہ میں خود عقلوں میں ایسی روشنی اور صفائی آجاتی ہے کہ پہلے اس سے موجود نہ تھی۔ لوگ خواہ نخواہ حق کی تلاش کرنا شروع کر دیتے ہیں اور غیب سے ایک حرکت اُن کی قوّت متفکرہ میں پیدا ہو جاتی ہے سو یہ تمام عقلی ترقی اور دلی جوش اُس الہام یافتہ کے قدم مبارک سے پیدا ہو جاتا ہے اور بالخاصیت زمین کے پانیوں کو اوپر اُٹھاتا ہے۔ جب تم دیکھو کہ مذاہب کی جستجو میں ہر ایک شخص کھڑا ہو گیا ہے اور زمینی پانی کو کچھ اُبال آیا ہے تو اُٹھو اور خبردار ہو جاؤ اور یقیناً سمجھو کہ آسمان سے زور کا مینہ برسا ہے اور کسی دل پر الہامی بارش ہوئی ہے۔

پانچواں سوال یہ ہے

کہ علم اور معرفت الٰہی کے ذریعے کیا کیا ہیں

اس سوال کے جواب میں واضح ہو کہ اس بارے میں جس قدر قرآن شریف نے مبسوط طور پر ذکر فرمایا ہے اُس کے ذکر کرنے کی تو اسجگہ کسی طرح گنجائش نہیں لیکن بطور نمونہ کسی قدر بیان کیا جاتا ہے سو جاننا چاہیئے کہ قرآن شریف نے علم تین قسم پر قرار دیا ہے۔ علم الیقین۔ عین الیقین۔ حق الیقین جیسا کہ ہم پہلے اس سے سورہ

الہکم التکاثر کی تفسیر میں ذکر کر چکے ہیں اور بیان کر چکے ہیں کہ علم الیقین وہ ہے کہ شئے مقصود کا کسی واسطہ کے ذریعہ سے نہ بلا واسطہ پتا لگایا جائے جیسا کہ ہم دھوئیں سے آگ کے وجود پر استدلال کرتے ہیں پر آگ کو دیکھا نہیں مگر دھوئیں کو دیکھا ہے کہ جس سے ہمیں آگ کے وجود پر یقین آیا سو یہ علم الیقین ہے اور اگر ہم نے آگ کو ہی دیکھ لیا ہے تو یہ بموجب بیان قرآن شریف یعنی سورہ الہکم التکاثر کے علم کے مراتب میں سے عین الیقین کے نام سے موسوم ہے اور اگر ہم اس آگ میں داخل بھی ہو گئے ہیں تو اس علم کے مرتبہ کا نام قرآن شریف کے بیان کے رو سے حق الیقین ہے سورۃ الہکم التکاثر کے اب دوبارہ لکھنے کی ضرورت نہیں ناظرین اس موقع سے اس تفسیر کو دیکھ لیں اب جاننا چاہیئے کہ پہلی قسم کا جو علم ہے یعنی علم الیقین اس کا ذریعہ عقل اور منقولات ہیں اللہ تعالیٰ دوزخیوں سے حکایت کر کے فرماتا ہے قَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ یعنی دوزخی کہیں گے کہ اگر ہم عقلمند ہوتے اور مذہب اور عقیدہ کو معقول طریقوں سے آزماتے یا کامل عقلمندوں اور محققوں کی تحریروں اور تقریروں کو توجہ سے سنتے تو آج دوزخ میں نہ پڑتے یہ آیت اس دوسری آیت کے موافق ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا یعنی خدائے تعالیٰ انسانی نفوس کو انکی وسعت علمی سے زیادہ کسی بات کو قبول کرنے کے لیئے تکلیف نہیں دیتا اور وہی عقیدے پیش کرتا ہے جنکا سمجھنا انسان کے حد استعداد میں داخل ہے تا اُس کے حکم تکلیف مالا یطاق میں داخل نہ ہوں اور ان آیات میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ انسان کانوں کے ذریعہ بھی علم الیقین حاصل کر سکتا ہے مثلاً ہم نے لندن تو نہیں دیکھا صرف دیکھنے والوں سے اس شہر کا وجود سنا ہے مگر کیا ہم شک کر سکتے ہیں کہ شاید ان سب نے جھوٹ بولدیا ہوگا یا مثلاً ہم نے عالمگیر بادشاہ کا زمانہ نہیں پایا اور نہ عالمگیر کی شکل دیکھی ہے مگر کیا ہمیں اس بات میں کچھ بھی شبہ ہے

کہ عالمگیر چغتائی بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ تھا پس ایسا یقین کیوں حاصل ہوا اس کا جواب یہی ہے کہ صرف سماع کے تواتر سے پس اس میں شک نہیں کہ سماع بھی علم الیقین کے مرتبہ تک پہنچا ہے نبیوں کی کتابیں اگر سلسلہ سماع میں کچھ خلل نہ رکھتی ہوں وہ بھی ایک سماعی علم کا ذریعہ ہیں لیکن اگر ایک کتاب آسمانی کتاب کہلا کر پھر مثلاً پچاس ساٹھ نسخے اس کے پائے جائیں اور بعض بعض کے مخالف ہوں تو گو کسی فریق نے یقین بھی کرلیا ہو کہ ان میں سے صرف دو چار صحیح ہیں اور باقی وضعی اور جعلی لیکن محقق کے لیئے ایسا یقین جو کسی کامل تحقیقات پر مبنی نہیں بیہودہ ہوگا اور نتیجہ ہوگا کہ وہ سب کتابیں اپنے تناقض کی وجہ سے ردی اور ناقابل اعتبار قرار دیجائیں گی اور ہرگز جائز نہیں ہوگا کہ ایسے متناقض بیانات کو کسی علم کا ذریعہ ٹھہرایا جائے کیونکہ علم کی یہ تعریف ہے کہ ایک یقینی معرفت عطا کرے اور مجموعہ متناقضات میں یقینی معرفت کا پایا جانا ممکن نہیں اسجگہ یاد رہے کہ قرآن شریف صرف سماع کی حد تک محدود نہیں ہے کیونکہ اس میں انسانوں کے سمجھانے کے لیئے بڑے بڑے معقول دلائل ہیں اور جسقدر عقائد اور اصول اور احکام اس نے پیش کیئے ہیں ان میں سے کوئی بھی ایسا امر نہیں جس میں زبردستی اور تحکم ہو جیسا کہ اس نے خود فرمادیا ہے کہ یہ سب عقاید وغیرہ انسان کی فطرت میں پہلے سے منقوش ہیں اور قرآن شریف کا نام ذکر رکھا ہے جیسا کہ فرماتا ہے هٰذَا ذِكْرٌ مُّبَارَكٌ یعنی یہ قرآن بابرکت کوئی نئی چیز نہیں لایا بلکہ جو کچھ انسان کی فطرت اور صحیفہ قدرت میں بھرا پڑا ہے اسکو یاد دلاتا ہے اور پھر ایک جگہ فرماتا ہے لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ یعنی یہ دین کوئی بات جبر سے منوانا نہیں چاہتا بلکہ ہر ایک بات کے دلائل پیش کرتا ہے ماسوا اس کے قرآن میں دلوں کو روشن کرنے کے لیئے ایک روحانی خاصیت بھی ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے شِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ یعنی قرآن اپنی خاصیت سے تمام بیماریوں کو دور کرتا ہے اسلیئے اسکو منقولی کتاب نہیں کہ سکتے بلکہ وہ اعلیٰ درجہ کے معقول دلائل اپنے ساتھ

رکھتا ہے اور ایک چمکتا ہوا نور اس میں پایا جاتا ہے ایسا ہی عقلی دلائل جو صحیح مقدمات سے مستنبط ہوئے ہوں بلاشبہ علم الیقین تک پہنچاتے ہیں اسی کی طرف اللہ جلشانہ آیات مندرجہ ذیل میں اشارہ فرماتا ہے جیسا کہ وہ کہتا ہے اِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ۝ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۝ یعنی جب دانشمند اور اہل عقل انسان زمین اور آسمان کے اجرام کی بناوٹ میں غور کرتے اور رات دن کی کمی بیشی کے موجبات اور علل کو نظر عمیق سے دیکھتے ہیں انہیں اس نظام پر نظر ڈالنے سے خدائے تعالیٰ کے وجود پر دلیل ملتی ہے پس وہ زیادہ انکشاف کے لئے خدا سے مدد چاہتے ہیں اور اسکو کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر اور کروٹ پر لیٹ کر یاد کرتے ہیں جس سے انکی عقلیں بہت صاف ہو جاتی ہیں پس جب وہ ان عقلوں کے ذریعہ سے اجرام فلکی اور زمینی کی بناوٹ احسن اور اولیٰ میں فکر کرتے ہیں تو بے اختیار بول اٹھتے ہیں کہ ایسا نظام ابلغ اور محکم ہرگز باطل اور بے سود نہیں بلکہ صانع حقیقی کا چہرہ دکھلا رہا ہے پس وہ الوہیت صانع عالم کا اقرار کر کے یہ مناجات کرتے ہیں کہ یا الٰہی تو اس سے پاک ہے کہ کوئی تیرے وجود سے انکار کر کے نالائق صفتوں سے تجھے موصوف کرے سو تو ہمیں دوزخ کی آگ سے بچا یعنی تجھ سے انکار کرنا عین دوزخ ہے اور تمام آرام اور راحت تجھ میں اور تیری شناخت میں ہے جو شخص کہ تیری سچی شناخت سے محروم رہا وہ درحقیقت اسی دنیا میں آگ میں ہے۔

ایسا ہی ایک علم کا ذریعہ انسانی کانشنس بھی ہے جس کا نام خدا کی کتاب میں انسانی فطرت رکھا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ

عَلَیۡھَا یعنی خدا کی فطرت جس پر لوگ پیدا کیئے گئے ہیں اور وہ نقش فطرت کیا ہے یہی کہ خدا کو واحد لاشریک خالق الکل مرنے اور پیدا ہونے سے پاک سمجھنا اور ہم کانشنس کو علم الیقین کے مرتبہ پر اس لیئے کہتے ہیں کہ گو بظاہر اس میں ایک علم سے دوسرے علم کی طرف انتقال نہیں پایا جاتا جیسا کہ دھوئیں کے علم سے آگ کے علم کا ہر طرف انتقال پایا جاتا ہے لیکن ایک قسم کے باریک انتقال سے یہ مرتبہ خالی نہیں ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر ایک چیز میں خدا نے ایک نامعلوم خاصیت رکھی ہے جو بیان اور تقریر میں نہیں آسکتی لیکن اُس چیز پر نظر ڈالنے اور اُس کا تصور کرنے سے بلا توقف اس خاصیت کی طرف ذہن منتقل ہوجاتا ہے غرض وہ خاصیت اس وجود کو ایسی لازم پڑی ہوتی ہے جیسا کہ آگ کو دھواں لازم ہے مثلاً جب ہم خدائے تعالیٰ کی ذات کی طرف توجہ کرتے ہیں کہ کیسی ہونی چاہیئے آیا خدا ایسا ہونا چاہیئے کہ ہماری طرح پیدا ہو اور ہماری طرح دُکھ اُٹھاوے اور ہماری طرح مرے تو معًا اس تصور سے ہمارا دل دُکھتا اور کانشنس کانپتا ہے اور اس قدر جوش دکھلاتا ہے کہ گویا اس خیال کو دھکے دیتا ہے اور بول اُٹھتا ہے کہ وہ خدا جس کی طاقتوں پر تمام اُمیدوں کا مدار ہے وہ تمام نقصانوں سے پاک اور کامل اور قوی چاہیئے اور جب ہی کہ خدا کا خیال ہمارے دل میں آتا ہے معًا توحید اور خدا میں دھوئیں اور آگ کی طرح بلکہ اس سے بہت زیادہ ملازمت تامہ کا احساس ہوتا ہے لہٰذا جو علم ہمیں ہمارے کانشنس کے ذریعہ سے معلوم ہوتا ہے وہ علم الیقین کے مرتبہ میں داخل ہے لیکن اس پر ایک اور مرتبہ ہے جو عین الیقین کہلاتا ہے اور اس مرتبہ سے اس طور کا علم مراد ہے کہ جب ہمارے یقین اور اُس چیز میں جس پر کسی نوع کا یقین کیا گیا ہے کوئی درمیانی واسطہ نہ ہو مثلاً جب ہم قوت شامہ کے ذریعہ سے ایک خوشبو یا بدبو کو معلوم کرتے ہیں اور یا ہم قوت ذائقہ کے ذریعہ سے شیرین یا

نمکین پر اطلاع پاتے ہیں یا قوتِ حاسہ کے ذریعہ سے گرم یا سرد کو معلوم کرتے ہیں تو یہ تمام معلومات ہمارے عین الیقین کی قسم میں داخل ہیں مگر عالم ثانی کے بارے میں ہمارا علم الٰہیات تب عین الیقین کی حد تک پہنچتا ہے کہ جب خود بلا واسطہ ہم الہام پاویں خدا کی آواز کو اپنے کانوں سے سنیں اور خدا کے صاف اور صحیح کشفوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں ہم بیشک کامل معرفت کے حاصل کرنے کے لیئے بلا واسطہ الہام کے محتاج ہیں اور اس کامل معرفت کی ہم اپنے دل میں بھوک اور پیاس بھی پاتے ہیں اگر خدا تعالیٰ نے ہمارے لیئے پہلے سے اس معرفت کا سامان میسر نہیں کیا تو یہ پیاس اور بھوک ہمیں کیوں لگا دی ہے کیا ہم اس زندگی میں جو ہماری آخرت کے ذخیرہ کیلئے یہی ایک پیمانہ ہے اس بات پر راضی ہو سکتے ہیں کہ ہم اس سچے اور کامل اور قادر اور زندہ خدا پر صرف قصوں اور کہانیوں کے رنگ میں ایمان لاویں یا محض عقلی معرفت پر کفایت کریں جو اب تک ناقص اور ناتمام معرفت ہے کیا خدا کے سچے عاشقوں اور حقیقی دلدادوں کا دل نہیں چاہتا کہ اس محبوب کے کلام سے لذت حاصل کریں کیا جنہوں نے خدا کے لیئے تمام دنیا کو برباد کیا دل کو دیا جان کو دیا وہ اس بات پر راضی ہو سکتے ہیں کہ صرف ایک دھندلی سی روشنی میں کھڑے رہ کر مرتے رہیں اور اس آفتاب صداقت کا منہ نہ دیکھیں کیا یہ سچ نہیں ہے کہ اس زندہ خدا کا انا الموجود کہنا وہ معرفت کا مرتبہ عطا کرتا ہے کہ اگر دنیا کے تمام فلاسفروں کی خود تراشیدہ کتابیں ایک طرف رکھیں اور ایک طرف انا الموجود خدا کا کہنا تو اسکے مقابل وہ تمام دفتر ہیچ ہیں جو فلاسفر کہلا کر اندھے رہے وہ ہمیں کیا سکھاینگے غرض اگر خدائے تعالیٰ نے حق کے طالبوں کو کامل معرفت دینے کا ارادہ فرمایا ہے تو ضرور اس نے اپنے مکالمہ اور مخاطبہ کا طریق کھلا رکھا ہے اس بارے میں اللہ جلشانہٗ قرآن شریف میں یہ فرماتا ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ

اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ یعنی اے خدا ہمیں وہ استقامت کی راہ بتلا جو راہ اُن لوگوں کی ہے جنپر تیرا انعام ہُوا ہے۔ اسجگہ انعام سے مراد الہام اور کشف وغیرہ آسمانی علوم ہیں جو انسان کو براہ راست ملتے ہیں ایسا ہی ایک دوسری جگہ فرماتا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ یعنی جو لوگ خدا پر ایمان لاکر پوری پوری استقامت اختیار کرتے ہیں اُنپر خدائے تعالےٰ کے فرشتے اُترتے ہیں اور یہ الہام اُنکو کرتے ہیں کہ تم کچھ خوف اور غم نہ کرو تمھارے لیئے وہ بہشت ہے جسکے بارے میں تمھیں وعدہ دیا گیا ہے سو اس آیت میں بھی صاف لفظوں میں فرمایا ہے کہ خدائے تعالیٰ کے نیک بندے غم اور خوف کیوقت خدا سے الہام پاتے ہیں اور فرشتے اُترکر اُنکی تسلی کرتے ہیں اور پھر ایک اور آیت میں فرمایا ہے لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ یعنی خدا کے دوستوں کو الہام اور خدا کے مکالمہ کے ذریعہ سے اس دنیا میں خوشخبری ملتی ہے اور آیندہ زندگی میں بھی ملے گی لیکن اسجگہ یاد رہے کہ الہام کے لفظ سے اسجگہ یہ مراد نہیں ہے کہ سوچ اور فکر کی کوئی بات دل میں پڑجائے جیسا کہ جب شاعر شعر کے بنانے میں کوشش کرتا ہے یا ایک مصرع بناکر دوسرا سوچتا رہتا ہے تو دوسرا مصرع دل میں پڑتا ہے سو یہ دلمیں پڑجانا الہام نہیں ہے بلکہ یہ خدا کے قانون قدرت کے موافق اپنے فکر اور سوچ کا ایک نتیجہ ہے جو شخص اچھی باتیں سوچتا ہے یا بُری باتوں کے لیئے فکر کرتا ہے اُسکی تلاش کے موافق کوئی بات ضرور اُس کے دل میں پڑجاتی ہے ایک شخص مثلاً نیک اور راستباز آدمی ہے جو سچائی کی حمایت میں چند شعر بناتا ہے اور دوسرا شخص جو ایک گندہ اور پلید آدمی ہے اپنے شعروں میں جھوٹ کی حمایت کرتا ہے اور راستبازوں کو گالیاں نکالتا ہے

تو بلاشبہ یہ دونوں کچھ نہ کچھ شعر بنالیں گے بلکہ کچھ تعجب نہیں کہ وہ راستبازوں کا دشمن جو جھوٹ کی حمایت کرتا ہے باعث دائمی مشق کے اس کا شعر عمدہ ہو سو اگر صرف دل میں پڑجانے کا نام الہام ہے تو پھر ایک بدمعاش شاعر جو راستبازی اور راستبازوں کا دشمن اور ہمیشہ حق کی مخالفت کے لیئے قلم اُٹھاتا اور افتراؤں سے کام لیتا ہے خدا کا ملہم کہلائیگا دنیا میں ناولوں وغیرہ میں جادو بیانیاں پائی جاتی ہیں اور تم دیکھتے ہو کہ اسطرح سراسر باطل مگر مسلسل مضمون لوگوں کے دلوں میں پڑتے ہیں پس کیا ہم اُن کو الہام کہہ سکتے ہیں بلکہ اگر الہام صرف دلمیں بعض باتیں پڑجانے کا نام ہے تو ایک چور بھی ملہم کہلا سکتا ہے کیونکہ وہ بسا اوقات فکر کرکے اچھے اچھے طریق نقب زنی کے نکال لیتا ہے اور عمدہ عمدہ تدبیریں ڈاکہ مارنے اور خون ناحق کرنے کی اُسکے دل میں گذر جاتی ہیں تو کیا لائق ہے کہ ہم ان تمام ناپاک طریقوں کا نام الہام رکھدیں ہرگز نہیں بلکہ یہ اُن لوگوں کا خیال ہے جن کو ابتک اُس سچے خدا کی خبر نہیں جو آپ خاص مکالمہ سے دلوں کو تسلی دیتا اور ناواقفوں کو روحانی علوم سے معرفت بخشتا ہے الہام کیا چیز ہے وہ پاک اور قادر خدا کا ایک برگزیدہ بندہ کے ساتھ یا اُسکے ساتھ جسکو برگزیدہ کرنا چاہتا ہے ایک زندہ اور باقدرت کلام کیساتھ مکالمہ اور مخاطبہ ہے سو جب یہ مکالمہ اور مخاطبہ کافی اور تسلی بخش سلسلہ کے ساتھ شروع ہوجائے اور اس میں خیالات فاسدہ کی تاریکی نہ ہو اور نہ غیر مکتفی اور چند بے سروپا لفظ ہوں اور کلام لذیذ اور پُر حکمت اور پُر شوکت ہو تو وہ خدا کا کلام ہے جس سے وہ اپنے بندے کو تسلی دینا چاہتا ہے اور اپنے تئیں اُسپر ظاہر کرتا ہے ہاں کبھی ایک کلام محض امتحان کے طور پر ہوتا ہے اور پورا اور بابرکت سامان ساتھ نہیں رکھتا اس میں خدائے تعالیٰ کے بندہ کو اسکی ابتدائی حالت میں آزمایا جاتا ہے تا وہ ایک ذرہ الہام کا مزہ

بیباکی کرکے مصداق واقعی طور پر اپنا حال وقال سچے ملہموں کی طرح بنا وے یا ٹھوکر کھا وے پس اگر وہ حقیقی راستبازی صدیقوں کی طرح اختیار نہیں کرتا تو اس نعمت کے کمال سے محروم رہ جاتا ہے اور صرف بیہودہ لاف زنی اسکے ہاتھ میں ہوتی ہے کروڑ ہا نیک بندوں کو الہام ہوتا رہا ہے مگر انکا مرتبہ خدا کے نزدیک ایک درجہ کا نہیں بلکہ خدا کے پاک نبی جو پہلے درجہ پر کمال صفائی سے خدا کا الہام پانیوالے ہیں وہ بھی مرتبہ میں برابر نہیں خدائے تعالی فرماتا ہے تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ یعنی بعض نبیوں کو بعض نبیوں پر فضیلت ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ الہام محض فضل ہے اور فضیلت کے وجود میں اسکو دخل نہیں بلکہ فضیلت اس صدق اور اخلاص اور وفاداری کے قدر پر ہے جسکو خدا جانتا ہے ہاں الہام بھی اگر اپنی با برکت شرائط کے ساتھ ہو تو وہ بھی انکا ایک پھل ہے اس میں کچھ شک نہیں کہ اگر اس رنگ میں الہام ہو کہ بندہ سوال کرتا ہے اور خدا اُسکا جواب دیتا ہے اسی طرح ایک ترتیب کے ساتھ سوال وجواب ہو اور الٰہی شوکت اور نور الہام میں پایا جاوے اور علوم غیب یا معارف صحیحہ پر مشتمل ہو تو وہ خدا کا الہام ہے خدا کے الہام میں یہ ضروری ہے کہ جس طرح ایک دوست دوسرے دوست سے ملکر باہم ہمکلام ہوتا ہے اسی طرح ربّ اور اسکے بندے میں ہمکلامی واقع ہو اور جب کسی امر میں سوال کرے تو اُسکے جواب میں ایک کلام لذیذ فصیح خدائے تعالی کی طرف سے سُنے جس میں اپنے نفس اور فکر اور غور کا کچھ بھی دخل نہ ہو اور وہ مکالمہ اور مخاطبہ اُس کے لیئے موہبت ہو جائے تو وہ خدا کا کلام ہے اور ایسا بندہ خدا کی جناب میں عزیز ہے مگر یہ درجہ کہ الہام بطور موہبت ہو اور زندہ اور پاک الہام کا سلسلہ ایسے بندہ سے خدا کو حاصل ہو اور صفائی اور پاکیزگی کے ساتھ ہو یہ کسی کو نہیں ملتا بجز اُن لوگوں کے جو ایمان اور اخلاص اور اعمال صالحہ میں ترقی کریں اور نیز اُس چیز میں جس کو ہم بیان نہیں کر سکتے سچا اور پاک الہام الوہیت کے بڑے بڑے کرشمے دکھلاتا ہے بارہا ایک

نہایت چمکدار نور پیدا ہوتا ہے اور ساتھ اسکے پُر شوکت اور چمکدار الہام آتا ہے اس سے بڑھ کر
اور کیا ہوگا کہ ملہم اُس ذات سے باتیں کرتا ہے جو زمین و آسمان کا پیدا کرنیوالا ہے دنیا میں
خدا کا دیدار یہی ہے کہ خدا سے باتیں کرے مگر اس ہمارے بیان میں انسان کی وہ حالت
داخل نہیں ہے جو کسی کی زبان پر بے ٹھکانہ کوئی لفظ یا فقرہ یا شعر جاری ہو اور ساتھ اسکے
کوئی مکالمہ اور مخاطبہ نہ ہو بلکہ ایسا شخص خدا کے امتحان میں گرفتار ہے کیونکہ خدا اس طریق
سے بھی سُست اور غافل بندوں کو آزماتا ہے کہ کبھی کوئی فقرہ یا عبارت کسی کے دل پر یا زبان پر
جاری کیجاتی ہے اور وہ شخص اندھے کی طرح ہوجاتا ہے نہیں جانتا کہ وہ عبارت کہاں سے آئی
خدا سے یا شیطان سے سو ایسے فقرات سے استغفار لازم ہے لیکن اگر ایک صالح اور نیک
بندہ کو بے حجاب مکالمہ الٰہی شروع ہوجائے اور مخاطبہ اور مکالمہ کے طور پر ایک کلام روشن
لذیذ پُر معنی پُر حکمت پوری شوکت کے ساتھ اُسکو سنائی دے اور کم سے کم بارہا اس کو
ایسا اتفاق ہُوا ہو کہ خدا میں اور اُس میں عین بیداری میں دس مرتبہ سوال و جواب ہُوا ہو
اس نے سوال کیا خدا نے جواب دیا پھر اُسی وقت عین بیداری میں اُس نے کوئی اور عرض
کی اور خدا نے اُسکا بھی جواب دیا پھر گذارش عاجزانہ کی خدا نے اُس کا بھی جواب عطا
فرمایا ایسا ہی دس مرتبہ تک خدا میں اور اُس میں باتیں ہوتی رہیں اور خدا نے بارہا ان
مکالمات میں اُس کی دعائیں منظور کی ہوں عمدہ عمدہ معارف پر اُسکو اطلاع دی ہو
آنیوالے واقعات کی اُسکو خبر دی ہو اور اپنے برہنہ مکالمہ سے بار بار کے سوال و جواب میں
اسکو مشرف کیا ہو تو ایسے شخص کو خدائے تعالیٰ کا بہت شکر کرنا چاہیئے اور سب سے زیادہ
خدا کی راہ میں فدا ہونا چاہیئے کیونکہ خدا نے محض اپنے کرم سے اپنے تمام بندوں میں سے
اُسے چُن لیا اور اُن صدیقوں کا اُسکو وارث بنا دیا جو اس سے پہلے گذر چکے ہیں یہ نعمت
نہایت ہی نادر الوقوع اور خوش قسمتی کی بات ہے جسکو ملی اسکے بعد جو کچھ ہے وہ ہیچ ہے،
اس مرتبہ اور اس مقام کے لوگ اسلام میں ہمیشہ ہوتے رہے ہیں اور ایک اسلام ہی ہے

جس میں خدا بندہ سے قریب ہو کر اس سے باتیں کرتا اور اسکے اندر بولتا ہے وہ اُس کے
دل میں اپنا تخت بناتا اور اس کے اندر سے اُسے آسمان کی طرف کھینچتا ہے اور اُسکو وہ
سب نعمتیں عطا فرماتا ہے جو پہلوں کو دی گئیں افسوس اندھی دنیا نہیں جانتی کہ انسان
نزدیک ہوتا ہوتا کہاں تک پہنچ جاتا ہے وہ آپ تو قدم نہیں اُٹھاتے اور جو قدم اُٹھائے
تو یا تو اُسکو کافر ٹھہرایا جاتا ہے اور یا اُسکو معبود ٹھہرا کر خدا کی جگہ دیجاتی ہے یہ دونوں
ظلم ہیں ایک افراط سے ایک تفریط سے پیدا ہوا مگر عقلمند کو چاہیئے کہ وہ کم ہمت نہ ہو
اور اس مقام اور اس مرتبہ کا انکاری نہ رہے اور صاحب اس مرتبہ کی کسر شان نہ کرے اور
نہ اس کی پوجا شروع کردے اس مرتبہ پر خدائے تعالیٰ وہ تعلقات اس بندہ سے ظاہر کرتا
ہے کہ گویا اپنی الوہیت کی چادر اُسپر ڈالدیتا ہے اور ایسا شخص خدا کے دیکھنے کا آئینہ
بنجاتا ہے یہی بھید ہے جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے مجھے دیکھا اُس
نے خدا کو دیکھ لیا غرض یہ بندوں کے لیئے انتہائی تنبیہ ہے اور اسپر تمام سلوک ختم
ہوجاتے ہیں اور پوری تسلی ملتی ہے۔ میں بنی نوع پر ظلم کرونگا اگر میں اسوقت
ظاہر نہ کروں کہ وہ مقام جسکی میں نے یہ تعریفیں کی ہیں اور وہ مرتبہ مکالمہ اور مخاطبہ کا جسکی
میں نے اسوقت تفصیل بیان کی وہ خدا کی عنایت نے مجھے عنایت فرمایا ہے تا میں
اندھوں کو بینائی بخشوں اور ڈھونڈنے والوں کو اُس گم گشتہ کا پتہ دوں اور سچائی
قبول کرنے والوں کو اُس پاک چشمہ کی خوشخبری سُناؤں جس کا تذکرہ بہتوں میں ہے
اور پانیوالے تھوڑے ہیں میں سامعین کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ خدا جس کے ملنے
میں انسان کی نجات اور دائمی خوشحالی ہے وہ بجز قرآن شریف کی پیروی کے ہرگز
نہیں مل سکتا کاش جو میں نے دیکھا ہے لوگ دیکھیں اور جو میں نے سُنا ہے وہ سُنیں اور
قصوں کو چھوڑ دیں اور حقیقت کی طرف دوڑیں وہ کامل علم کا ذریعہ جس سے خدا
نظر آتا ہے وہ میل اُتارنیوالا پانی جس سے تمام شکوک دُور ہوجاتے ہیں وہ آئینہ

جس سے اُس برتر ہستی کا درشن ہو جاتا ہے خدا کا وہ مکالمہ اور مخاطبہ ہے جس کا میں ابھی ذکر کر چکا ہوں جس کی روح میں سچائی کی طلب ہے وہ اُٹھے اور تلاش کرے میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اگر روحوں میں سچی تلاش پیدا ہو اور دلوں میں سچی پیاس لگ جائے تو لوگ اس طریق کو ڈھونڈیں اور اس راہ کی تلاش میں لگیں مگر یہ راہ کس طریق سے کھلے گی اور حجاب کس دوا سے اُٹھے گا میں سب طالبوں کو یقین دلاتا ہوں کہ صرف اسلام ہی ہے جو اس راہ کی خوشخبری دیتا ہے اور دوسری قومیں تو خدا کے الہام پر مدت سے مہر لگا چکی ہیں سو یقیناً سمجھو کہ یہ خدا کی طرف سے مہر نہیں بلکہ محرومی کی وجہ سے انسان ایک حیلہ پیدا کر لیتا ہے اور یقیناً سمجھو کہ جس طرح یہ ممکن نہیں کہ ہم بغیر آنکھوں کے دیکھ سکیں یا بغیر کانوں کے سن سکیں یا بغیر زبان کے بول سکیں اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ بغیر قرآن کے اس پیارے محبوب کا منہ دیکھ سکیں۔

میں جوان تھا اب بوڑھا ہو گیا مگر میں نے کوئی نہ پایا جس نے بغیر اس پاک چشمہ کے اس کھلی کھلی معرفت کا پیالہ پیا ہو۔

اے عزیزو! اے پیارو! کوئی انسان خدا کے ارادوں میں اس سے لڑائی نہیں کر سکتا یقیناً سمجھ لو کہ کامل علم کا ذریعہ خدائے تعالیٰ کا الہام ہے جو خدائے تعالیٰ کے پاک نبیوں کو ملا پھر بعد اس کے اس خدا نے جو دریائے فیض ہے یہ ہرگز نہ چاہا کہ آئندہ اس الہام کو مہر لگا دے اور اس طرح پر دنیا کو تباہ کرے بلکہ اس کے الہام اور مکالمہ اور مخاطبہ کے ہمیشہ دروازے کھلے ہیں۔ ہاں ان کو ان کی راہوں سے ڈھونڈو تب وہ آسانی سے تمہیں ملیں گے وہ زندگی کا پانی آسمان سے آیا اور مناسب مقام پر ٹھہرا اب تمہیں کیا کرنا چاہیئے تا تم اس پانی کو پی سکو یہی کرنا چاہیئے کہ اُفتاں و خیزاں اس چشمہ تک پہنچو پھر اپنا منہ اس چشمہ کے آگے رکھ دو تا اس زندگی کے پانی سے سیراب ہو جاؤ انسان کی تمام سعادت اسی میں ہے کہ جہاں روشنی کا پتا ملے اسی طرف دوڑے

اور جہاں اس گم گشتہ دوست کا نشان پیدا ہو اسی راہ کو اختیار کرے دیکھتے ہو کہ ہمیشہ آسمان سے روشنی اُترتی اور زمین پر پڑتی ہے اسی طرح ہدایت کا سچا نور آسمان سے ہی اُترتا ہے انسان کی اپنی ہی باتیں اور اپنی ہی اٹکلیں سچا گیان اُسکو نہیں بخش سکتیں کیا تم خدا کو بغیر خدا کی تجلی کے پاسکتے ہو کیا تم بغیر اس آسمانی روشنی کے اندھیرے میں دیکھ سکتے ہو اگر دیکھ سکتے ہو تو شاید اسجگہ بھی دیکھ لوگے ہماری آنکھیں گو بینا ہوں تاہم آسمانی روشنی کی محتاج ہیں اور ہمارے کان گو شنوا ہوں تاہم اُس ہوا کے حاجتمند ہیں جو خدا کی طرف سے چلتی ہے وہ خدا سچا خدا نہیں ہے جو خاموش ہے اور سارا مدار ہماری اٹکلوں پر ہے بلکہ کامل اور زندہ خدا وہ ہے جو اپنے وجود کا آپ پتہ دیتا رہا ہے اور اب بھی اُس نے یہی چاہا ہے کہ آپ اپنے وجود کا پتہ دیوے آسمانی کھڑکیاں کھلنے کو ہیں عنقریب صبح صادق ہونے والی ہے مبارک وہ جو اُٹھ بیٹھیں اور اب سچے خدا کو ڈھونڈیں وہی خدا جسپر کوئی گردش اور مصیبت نہیں آتی جس کے جلال کی چمک پر کبھی حادثہ نہیں پڑتا قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنی خدا ہی ہے جو ہر دم آسمان کا نور اور زمین کا نور ہے اُسی سے ہر ایک جگہ روشنی پڑتی ہے آفتاب کا وہی آفتاب ہے زمین کے تمام جانداروں کی وہی جان ہے سچا زندہ خدا وہی ہے مبارک وہ جو اسکو قبول کرے ؛

تیسرا علم کا ذریعہ وہ امور ہیں جو حق الیقین کے مرتبہ پر ہیں اور وہ تمام شدائد اور مصائب اور تکالیف ہیں جو خدا کے نبیوں اور راستبازوں کو مخالفوں کے ہاتھ سے یا آسمانی قضاء و قدر سے پہنچتے ہیں اور اس قسم کے دُکھوں اور تکلیفوں سے وہ تمام شرعی ہدایتیں جو محض علمی طور پر انسان کے دل میں تھیں اسپر وارد ہو کر عملی رنگ میں آجاتی ہیں اور پھر عمل کی زمین سے نشوونما پاکر کمال تام تک پہنچ جاتی ہیں اور عمل کرنیوالوں کا اپنا ہی وجود ایک نسخہ مکمل خدا کی ہدایتوں کا ہو جاتا ہے اور

وہ تمام اخلاق عفو اور انتقام اور صبر اور رحم وغیرہ جو صرف دماغ اور دل میں بھرے ہوئے تھے اب تمام اعضاء کو عملی مزاولت کی برکت سے اُنسے حصہ ملتا ہے اور وہ تمام جسم پروردہ ہو کر اپنے نقش و نگار اُس پر جما دیتے ہیں جیسا کہ اللہ جلشانہٗ فرماتا ہے وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ۝ لَتُبْلَوُنَّ فِي أَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا أَذًى كَثِيرًا ۚ وَإِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ۝ یعنی ہم تمہیں خوف اور فاقہ اور مال کے نقصان اور جان کے نقصان اور کوشش ضائع جانے اور اولاد کے فوت ہونے سے آزمائیں گے یعنی یہ تمام تکلیفیں قضاء قدر کے طور پر یا دشمن کے ہاتھ سے تمہیں پہنچے گی سو اُن لوگوں کو خوشخبری ہو جو مصیبت کے وقت صرف یہ کہتے ہیں کہ ہم خدا کے ہیں اور خدا کی طرف رجوع کرینگے ان لوگوں پر خدا کا درود اور رحمت ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جو ہدایت کے کمال تک پہنچ گئے ہیں یعنی محض اس علم میں کچھ شرف اور بزرگی نہیں جو صرف دماغ اور دل میں بھرا ہوا ہو بلکہ حقیقت میں علم وہ ہے کہ دماغ سے اُتر کر تمام اعضا اُس سے متادب اور رنگین ہو جائیں اور حافظہ کی یادداشتیں عملی رنگ میں دکھائی دیں سو علم کے مستحکم کرنے اور اُسکے ترقی دینے کا یہ بڑا ذریعہ ہے کہ عملی طور پر اسکے نقوش اپنے اعضا میں جمالیں کوئی ادنیٰ علم بھی عملی مزاولت کے بغیر اپنے کمال کو نہیں پہنچتا مثلاً مدت دراز سے ہمارے علم میں یہ بات ہے کہ روٹی پکانا نہایت ہی سہل بات ہے اور اس میں کوئی زیادہ باریکی نہیں صرف اتنا ہے کہ آٹا گوندھ کر اور بقدر ایک ایک روٹی کے اس آٹے کے پیڑے بنا دیں

اور انکو دونوں ہاتھوں کے باہم ملانے سے چوڑے کر کے توے پر ڈالدیں اور ادھر
اُدھر پھیر کر اور آگ پر سینک کر رکھ لیں روٹی پک جائے گی یہ تو ہماری صرف علمی لاف و
گزاف ہے لیکن جب ہم ناتجربہ کاری کی حالت میں پکانے لگیں گے تو اول ہم پر یہی مصیبت
پڑیگی کہ آٹے کو اسکے مناسب قوام پر رکھ سکیں بلکہ یا تو پتھر سا رہیگا اور یا پتلا ہو کر گلگلوں
کے لائق ہو جائیگا اور اگر مر کر اور تھک تھک کر گوندھ بھی لیا تو روٹی کا یہ حال ہوگا کہ
کچھ جلے گی اور کچھ کچی رہے گی بیچ میں ٹکیا رہیگی اور کئی طرف سے کان نکلے ہوئی ہونگے
حالانکہ پچاس برس تک ہم پکتی ہوئی دیکھتے رہے غرض مجرد علم کی شامت سے جو عملی مشق کے
نیچے نہیں آیا کئی سیر آٹے کا نقصان کرینگے پھر جبکہ ادنی ادنی سی بات میں ہمارے علم کا یہ
حال ہے تو بڑے بڑے امور میں بجز عملی مزاولت اور مشق کے صرف علم پر کیونکر بھروسہ
رکھیں سو خدائے تعالیٰ ان آیتوں میں یہ سکھاتا ہے کہ جو مصیبتیں میں تم پر ڈالتا ہوں وہ
بھی علم اور تجربہ کا ذریعہ ہیں یعنی انسے تمھارا علم کامل ہوتا ہے اور پھر آگے فرماتا ہے
کہ تم اپنے مالوں اور جانوں میں بھی آزمائے جاؤ گے لوگ تمھارے مال لوٹیں گے تمھیں
قتل کرینگے اور تم یہودیوں اور عیسائیوں اور مشرکوں کے ہاتھ سے بہت ہی ستائے جاؤ گے
وہ بہت کچھ ایذا کی باتیں تمھارے حق میں کہیں گے پس اگر تم صبر کروگے اور بیجا باتوں
سے بچو گے تو یہ ہمت اور بہادری کا کام ہوگا - ان تمام آیات کا مطلب یہ ہے کہ بابرکت
علم وہی ہوتا ہے جو عمل کے مرتبہ میں اپنی چمک دکھاوے اور منحوس علم وہ ہے جو صرف
علم کی حد تک رہے کبھی عمل تک نوبت نہ پہنچے ؛

جاننا چاہیئے کہ جسطرح مال تجارت سے بڑھتا ہے اور پھولتا ہے ایسا ہی علم عملی مزاولت
سے اپنے روحانی کمال کو پہنچتا ہے ۔ سو علم کو کمال تک پہنچانیکا بڑا ذریعہ عملی مزاولت ہے
مزاولت سے علم میں نور آجاتا ہے اور یہ بھی سمجھو کہ علم کا حق الیقین کے مرتبہ تک پہنچنا
اور کیا ہوتا ہے یہی تو ہے کہ عملی طور پر ہر ایک گوشہ اس کا آزمایا جائے چنانچہ اسلام میں

ایسا ہی ہوا جو کچھ خدائے تعالیٰ نے قرآن کے ذریعہ سے لوگوں کو سکھایا اسکو یہ موقعہ دیا کہ عملی طور پر اس تعلیم کو چمکا دیں اور اسکے نور سے پُر ہو جاویں اسی غرض سے خدائے تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوانح کو دو حصوں پر منقسم کر دیا ایک حصہ دکھوں اور مصیبتوں اور تکلیفوں کا اور دوسرا حصہ فتحیابی کا تا مصیبتوں کے وقت میں وہ خلق ظاہر ہوں جو مصیبتوں کے وقت ظاہر کرتے ہیں اور فتح اور اقتدار کے وقت میں وہ خلق ثابت ہوں جو بغیر اقتدار کے ثابت نہیں ہوتے سو ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں قسم کے اخلاق دونوں زمانوں اور دونوں حالتوں کے وارد ہونے سے کمال وضاحت سے ثابت ہو گئے چنانچہ وہ مصیبتوں کا زمانہ جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر تیرہ برس تک مکہ معظمہ میں شامل حال رہا اُس زمانہ کی سوانح پڑھنے سے نہایت واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ اخلاق جو مصیبتوں کے وقت کامل راستباز کو دکھلانے چاہئیں یعنی خدا پر توکل رکھنا اور جزع فزع سے کنارہ کرنا اور اپنے کام میں سُست نہ ہونا اور کسی کے رعب سے نہ ڈرنا ایسے طور پر دکھلا دئے کہ جو کفار ایسی استقامت کو دیکھ کر ایمان لائے اور شہادت دی کہ جبتک کسی کا پورا بھروسہ خدا پر نہ ہو تو اس استقامت اور اس طور سے دکھوں کی برداشت نہیں کر سکتا۔

اور پھر جب دوسرا زمانہ آیا یعنی فتح اور اقتدار اور ثروت کا زمانہ تو اُس زمانہ میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ اخلاق عفو اور سخاوت اور شجاعت کے ایسے کمال کے ساتھ صادر ہوئے جو ایک گروہ کثیر کفار کا انہی اخلاق کو دیکھ کر ایمان لایا دُکھ دینے والوں کو بخشا اور شہر سے نکالنے والوں کو امن دیا انکے محتاجوں کو مال سے مالا مال کر دیا اور قابو پاکر اپنے بڑے بڑے دشمنوں کو بخش دیا چنانچہ بہت سے لوگوں نے آپکے اخلاق دیکھ کر گواہی دی کہ جبتک کوئی خدا کی طرف سے اور حقیقتہً راستباز نہ ہو یہ اخلاق ہرگز دکھلا نہیں سکتا یہی وجہ ہے کہ آپکے دشمنوں کے پرانے کینے یک لخت دور ہو گئے

آپ کا بڑا بھاری خُلق جس کو آپنے ثابت کر کے دکھلا دیا وہ خُلق تھا جو قرآن شریف میں ذکر فرمایا گیا ہے اور وہ یہ ہے قُلْ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ یعنی انکو کہدے کہ میری عبادت اور میری قربانی اور میرا مرنا اور میرا جینا خدا کی راہ میں ہے یعنی اُس کا جلال ظاہر کرنے کیلیئے اور نیز اُس کے بندوں کے آرام دینے کے لیئے ہے تا میرے مرنے سے اُنکو زندگی حاصل ہو اسجگہ جو خدا کی راہ میں اور بندوں کی بھلائی کے لیئے مرنیکا ذکر کیا گیا ہے اس سے کوئی یہ خیال نہ کرے کہ آپنے نعوذ باللہ جاہلوں یا دیوانوں کی طرح درحقیقت خودکشی کا ارادہ کر لیا تھا اس وہم سے کہ اپنے تئیں کسی آلہ قتل کے ذریعہ سے ہلاک کر دینا اوروں کو فائدہ پہنچائیگا بلکہ آپ ان بیہودہ باتوں کے سخت مخالف تھے اور قرآن ایسی خودکشی کے مرتکب کو سخت مجرم اور قابل سزا ٹھہراتا ہے جیسا کہ فرماتا ہے وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ یعنی خودکشی نہ کرو اور اپنے ہاتھوں سے اپنی موت کے باعث نہ ٹھہرو اور یہ ظاہر ہے کہ اگر مثلاً خالد کے پیٹ میں درد ہو اور زید اُسپر رحم کر کے اپنا سر پھوڑ لے تو زید نے خالد کے حق میں کوئی نیکی کا کام نہیں کیا بلکہ اپنے سر کو احمقانہ حرکت سے ناحق پھوڑا نیکی کا کام تب ہوتا کہ جب زید خالد کیخدمت میں مناسب اور مفید طریق کے ساتھ سرگرم رہتا اور اُس کے لیئے عمدہ دوائیں میسر کرتا اور طبابت کے قواعد کے موافق اس کا علاج کرتا مگر اُس کے سر کے پھوڑنے سے زید کو تو کوئی فائدہ نہ پہنچا ناحق اُس نے اپنے وجود کے ایک شریف عضو کو دُکھ پہنچایا غرض اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعی ہمدردی اور محنت اُٹھانے سے بنی نوع کی رہائی کے لیئے جان کو وقف کر دیا تھا اور دعا کے ساتھ اور تبلیغ کے ساتھ اور اُنکے جور و جفا اُٹھانے کے ساتھ اور ہر ایک مناسب اور حکیمانہ طریق کے ساتھ اپنی جان اور اپنے آرام کو اس راہ میں فدا کر دیا تھا جیسا کہ اللہ جلشانہٗ فرماتا ہے لَعَلَّکَ بَاخِعٌ

نَفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرَاتٍ کیا تو اس غم اور اس سخت محنت میں جو لوگوں کے لیئے اٹھا رہا ہے اپنے تئیں ہلاک کر دیگا اور کیا ان لوگوں کے لیئے جو حق کو قبول نہیں کرتے تو حسرتیں کھا کھا کر اپنی جان دیگا سو قوم کی راہ میں جان دینے کا حکیمانہ طریق یہی ہے کہ قوم کی بھلائی کے لیئے قانون قدرت کے مفید راہوں کے موافق اپنی جان پر سختی اُٹھاویں اور مناسب تدبیروں کے بجالانے سے اپنی جان اُنپر فدا کر دیں نہ یہ کہ قوم کو سخت بلا یا گمراہی میں دیکھ کر اور خطرناک حالت میں پا کر اپنے سر پر پتھر ماریں یا دو تین رتی اسٹرکنیا کھا کر اس جہان سے رخصت ہو جائیں اور پھر گمان کریں کہ ہم نے اپنی اس حرکت بیجا سے قوم کو نجات دیدی ہے یہ مردوں کا کام نہیں ہے زنانہ خصلتیں ہیں اور بے حوصلہ لوگوں کا ہمیشہ سے یہی طریق ہے کہ مصیبت کو قابل برداشت نہ پا کر جھٹ پٹ خودکشی کی طرف دوڑتے ہیں ایسی خودکشی کی گو بعد میں کتنی ہی تاویلیں کیجائیں مگر یہ حرکت بلاشبہ عقل اور عقلمندوں کا ننگ ہے مگر ظاہر ہے کہ ایسے شخص کا صبر اور دشمن کا مقابلہ نہ کرنا معتبر نہیں ہے جس کو انتقام کا موقعہ ہی نہ ملا کیونکہ کیا معلوم ہے کہ اگر وہ انتقام پر قدرت پاتا تو کیا کچھ کرتا جبتک انسان پر وہ زمانہ آوے جو ایک مصیبتوں کا زمانہ اور ایک مقدرت اور حکومت اور ثروت کا زمانہ ہو اُسوقت تک اُسکے سچے اخلاق ہرگز ظاہر نہیں ہو سکتے صاف ظاہر ہے کہ جو شخص صرف کمزوری اور ناداری اور بے اقتداری کیحالت میں لوگوں کی ماریں کھاتا مر جاوے اور اقتدار اور حکومت اور ثروت کا زمانہ نہ پاوے اُسکے اخلاق میں سے کچھ بھی ثابت نہ ہوگا اور اگر کسی میدان جنگ میں حاضر نہیں ہوا تو یہ بھی ثابت نہ ہوگا کہ وہ دل کا بہادر تھا یا بزدل۔ اسکے اخلاق کی نسبت ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کیونکہ ہم نہیں جانتے ہمیں کیا معلوم ہے کہ اگر وہ

اپنے دشمنوں پر قدرت پاتا تو اُنسے کیا سلوک بجالاتا اور اگر وہ دولتمند ہو جاتا تو اس دولت کو جمع کرتا یا لوگوں کو دیتا اور اگر وہ کسی میدان جنگ میں آتا تو دم دبا کر بھاگ جاتا یا بہادروں کی طرح ہاتھ دکھاتا مگر خدا کی عنایت اور فضل نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان اخلاق کے ظاہر کرنے کا موقع دیا چنانچہ سخاوت اور شجاعت اور حلم اور عفو اور عدل اپنے اپنے موقع پر ایسے کمال سے ظہور میں آئے کہ صفحۂ دنیا میں اسکی نظیر ڈھونڈنا لاحاصل ہے اپنے دونوں زمانوں میں ضعف اور قدرت اور ناداری اور ثروت میں تمام جہان کو دکھلا دیا کہ وہ ذات پاک کیسی اعلیٰ درجہ کے اخلاق کی جامع تھی اور کوئی انسانی خُلق اخلاق فاضلہ میں سے ایسا نہیں ہے جو اسکے ظاہر ہونیکے لیئے آپ کو خدائے تعالیٰ نے ایک موقع نہ دیا شجاعت سخاوت استقلال عفو۔ حلم وغیرہ وغیرہ تمام اخلاق فاضلہ ایسے طور پر ثابت ہو گئے کہ دنیا میں اسکی نظیر کا تلاش کرنا طلب محال ہے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ جنہوں نے ظلم کو انتہا تک پُہنچا دیا اور اسلام کو نابود کرنا چاہا خدا نے اُنکو بھی بے سزا نہیں چھوڑا کیونکہ اُنکو بے سزا چھوڑنا گو یا راستبازوں کو اُنکے پیروں کے نیچے ہلاک کرنا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لڑائیوں کی ہرگز یہ غرض نہ تھی کہ خواہ نخواہ لوگوں کو قتل کیا جائے وہ اپنے باپ دادا کے ملک سے نکالے گئے تھے اور بہت سے مسلمان مرد اور عورتیں بے گناہ شہید کیئے گئے تھے اور ابھی ظالم ظلم سے باز نہیں آتے تھے اور اسلام کی تعلیم کو روکتے تھے لہٰذا خدا کے قانون حفاظت نے یہ چاہا کہ مظلوموں کو بالکل نابود ہونے سے بچا لے سو جنہوں نے تلوار اُٹھائی تھی اُنہی کے ساتھ تلوار کا مقابلہ ہُوا۔ غرض قتل کرنے والوں کا فتنہ فرو کرنیکے لیئے بطور مدافعت شر کے وہ لڑائیاں تھیں اور اُسوقت ہوئیں جبکہ ظالم طبع لوگ اہل حق کو نابود کرنا چاہتے تھے اس حالت میں اگر اسلام اس حفاظت خود اختیاری کو عمل میں نہ لاتا تو ہزاروں بچے اور عورتیں بے گناہ

قتل ہو کر آخر اسلام نابود ہو جاتا یا در ہے کہ مخالفین کی یہ بڑی زبردستی ہے کہ وہ خیال
کرتے ہیں کہ الہامی ہدایت ایسی ہونی چاہیئے جس کے کسی مقام اور کسی محل میں دشمنوں
کے مقابلہ کی تعلیم نہ ہو اور ہمیشہ حلم اور نرمی کے پیرایہ میں اپنی محبت اور رحمت کو ظاہر
کرے ایسے لوگ اپنی دانست میں خدائے عزّ وجل کی بڑی تعظیم کر رہے ہیں کہ جو اسکی
تمام صفات کاملہ کو صرف نرمی اور ملائمت پر ہی ختم کرتے ہیں لیکن اس معاملہ میں فکر
اور غور کرنیوالوں پر بآسانی کھل سکتا ہے کہ یہ لوگ بڑی موٹی اور فاش غلطی میں
مبتلا ہیں خدا کے قانون قدرت پر نظر ڈالنے سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ دنیا کے لیئے
وہ رحمت محض تو ضرور ہے مگر وہ رحمت ہمیشہ اور ہر حال میں نرمی اور ملائمت کے رنگ
میں ظہور پذیر نہیں ہوتی بلکہ وہ سراسر رحمت کے تقاضا سے طبیب حاذق کی طرح کبھی
شربت شیریں ہمیں پلاتا اور کبھی دوائی تلخ دیتا ہے اُسکی رحمت نوع انسان پر اس طرح
وارد ہوتی ہے جیسے ہم میں سے ایک شخص اپنے تمام وجود پر رحمت رکھتا ہے اس بات
میں کسی کو شک نہیں ہو سکتا کہ ہر ایک فرد ہم میں سے اپنے سارے وجود سے پیار
رکھتا ہے اور اگر کوئی ہمارے ایک بال کو اکھاڑنا چاہے تو ہم اُسپر سخت ناراض ہوتے
ہیں لیکن باوصف اسکے کہ ہماری محبت جو ہم اپنے وجود سے رکھتے ہیں ہمارے تمام وجود
میں بٹی ہوئی ہے اور تمام اعضاء ہمارے لیئے پیارے ہیں ہم کسی کا نقصان نہیں چاہتے
مگر پھر بھی یہ بات بداہت ثابت ہے کہ ہم اپنے اعضاء سے ایک ہی درجہ کی اور یکساں
محبت نہیں رکھتے بلکہ اعضاء رئیسہ شریفہ کی محبت جنپر ہمارے مقاصد کا بہت کچھ مدار ہے
ہمارے دلوں پر غالب ہوتی ہے ایسا ہی ہماری نظر میں ایک ہی عضو کی محبت کی نسبت
مجموعہ اعضاء کی محبت بہت بڑھ کر ہوتی ہے پس جب کبھی ہمارے لیئے کوئی ایسا موقعہ
آپڑتا ہے کہ ایک عضو کا بچاؤ ادنیٰ درجہ کے عضو کے زخمی کرنے یا کاٹنے یا توڑنے پر موقوف
ہوتا ہے تو ہم جان کے بچانے کے لیئے بلا تامل اُسی عضو کے زخمی کرنے یا کاٹنے پر مستعد

ہو جاتے ہیں اور گو اُسوقت ہمارے دل میں یہ رنج بھی ہوتا ہے کہ ہم اپنے ایک پیارے عضو کو زخمی کرتے یا کاٹتے ہیں مگر اس خیال سے کہ اس عضو کا فساد کسی دوسرے شریف عضو کو بھی ساتھ ہی تباہ نہ کرے ہم کاٹنے کے لیئے مجبور ہو جاتے ہیں پس اسی مثال سے سمجھ لینا چاہیئے کہ خدا بھی جب دیکھتا ہے کہ اسکے راستباز باطل پرستوں کے ہاتھ سے ہلاک ہوتے ہیں اور فساد پھیلتا ہے تو راستبازوں کی جان کے بچاؤ اور فساد کے دور کرنیکے لیئے مناسب تدبیر ظہور میں لاتا ہے خواہ آسمان سے خواہ زمین سے اسلیئے کہ وہ جیسا کہ رحیم ہے ویسا ہی حکیم ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ؕ

تقریر حضرت مولوی حکیم نور الدین صاحب بھیروی میر مجلس جلسۂ مذاہب لاہور

خدائے تعالیٰ کی مہربانی اور اُس کا فضل اور اُسکی ربوبیت عامہ اور اُس کا وہ فضل جو خاص خاص بندوں پر ہوتا ہے اگر انسان کے شامل حال نہ رہے تو اُس کا وجود کب رہ سکتا ہے۔ منجملہ اُس کی مہربانیوں کے جو ہم پر آجکل عطا فرماتی ہیں علم کے حاصل کرنے کے ذریعے اور اس کے مخازن ہیں جو عطا کیئے ہیں۔ کاغذ کا افراط سے بننا مطبعو کا جاری ہونا۔ پوسٹ آفسوں کی وہ ترقی کہ نہایت ہی کم خرچ پر ہم اپنے خیالات کو دور دراز ممالک میں پہنچا سکتے ہیں۔ پھر تار کا عمدہ انتظام۔ ریل اور جہاز کے ذریعہ سفر میں آسانی یہ تمام انعام الٰہی ہیں اگر انسان اسکا شکر ادا نہیں کرتا تو وہ ضرور عذاب میں گرفتار ہوگا لیکن جو شکر کرتا ہے خدا اُس میں بڑھوتی کرتا ہے۔ میں نے اپنے ابتدائی زمانہ میں دیکھا ہے جو کتابیں ہمیں مشکل سے ملتی تھیں بلکہ جنکے دکھانے میں تامل اور مضائقہ ہوتا تھا تھوڑے زمانہ سے دیکھتے ہیں کہ قسطنطنیہ کی عمدہ عمدہ

کتابیں اور ایسا ہی الجزائر مراکش۔ٹیونس۔طرابلس اور مصر سے آسانی کے ساتھ گھر بیٹھے پہنچتی ہیں ہر ایک شخص کو واجب ہے کہ اس امن کے زمانہ میں اس نعمت الٰہی سے بڑا فائدہ حاصل کرے ۔

مذہب میرے نزدیک ایسی چیز ہے کہ کوئی آدمی دنیا میں بغیر قانون کے زندگی بسر نہیں کر سکتا۔گورنمنٹ کے قانون کی منشاء حقوق کی حفاظت ہے لیکن ان قانونوں پر عمل درآمد کرنے کے لیئے جو حدود باندھے گئے ہیں وہ اس قسم کے ہیں کہ اُنسے ممکن ہے کہ جرائم کا انسداد ہو لیکن محرکات جرائم کو روکنا انکے احاطہ سے باہر ہے مثلاً یہ تو ممکن ہے کہ اگر کوئی شخص زنا بالجبر کا مرتکب ہو تو گورنمنٹ اُسے سزا دے لیکن بدنظری سے بدچلنیوں سے بدخواہشوں سے جو انسان میں پیدا ہو کر اُس سے طرح طرح کے جرائم کراتی ہیں اس کا انسداد قانون گورنمنٹ سے باہر ہے۔گورنمنٹ کا قانون اُنہیں نہیں روک سکتا ایسا قانون مذہب ہے جو ان امور سے ہم کو روکتا ہے ہمارے بعض افعال سے وہ ناراض ہوتا ہے اَفَمَنْ کَانَ مُؤْمِنًا کَمَنْ کَانَ فَاسِقًا لَا یَسْتَوٗنَ ہ یعنی مومن اور فاسق ایک جیسے نہیں اپنے معتقدات اور اعمال کے لحاظ سے وہ ایک دوسرے کے متساوی نہیں ویسے ہی انکے اعمال ایک سان نتائج مرتب نہیں کرتے یہ ایک مذہب کا ہی قانون ہے جس نے فاسق کو ان امور کے لیئے بھی مجرم ٹھہرا کر اسے اُنکے ارتکاب سے روکا ہے جن کا انسداد گورنمنٹ کے قانون سے باہر ہے چنانچہ بعض ایسی سیہ کاریاں بھی ہیں جو اگرچہ عقلاً نقلاً بُری نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں اور اہالیان گورنمنٹ اور ایسے ہی سوسائٹی کے دوسرے افراد اُسے کامل بداخلاقی سمجھتے ہیں لیکن نہ تو بذات خود گورنمنٹ بحیثیت گورنمنٹ اور نہ افراد سوسائٹی کوئی حکمی انسداد اُسکے بند کرنیکا اپنے پاس رکھتے ہیں مثلاً شراب خوری یا عیاشی جس میں فریقین راضی ہوں ایسے جرائم اور سیہ کاریوں کے انسداد کے لیئے اگر کوئی قانون مفید ہو سکتا ہے تو وہ صرف مذہب کا ہی

قانون ہے جو نہ صرف ایسے جرائم کو ہی روکتا ہے بلکہ اُن خیالات اور خطرات نفس پر بھی اسکی حکومت ہے جو ان جرائم اور کج اخلاقیوں کے محرک ہوتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ جب انسان مدنی الطبع ہونیکی صورت میں ایک قانون کا طبعاً اور مجبوراً محتاج ہے تو وہ قانون صرف شریعت آلٰہی ہے جسمیں سیاست مدن کی تکمیل کماحقہ ہو سکتی ہے اور یہی شریعت اصلاح انسانی کے لیئے اپنے اندر وہ طاقت رکھتی ہے اور اسی شریعت کو انسانی طبیعت پر اسقدر غلبہ ہے جو کسی گورنمنٹ کے قانون کو خواہ اسمیں کیسی ہی جابرانہ طاقت کیوں نہ ہو نصیب نہیں۔ لہٰذا مذہب میں انسان کو دلچسپی پیدا کرنا گورنمنٹ کے قوانین امن کی حفاظت کی ضرورت سے ہی نہیں بلکہ صدمات سے محفوظ رکھنے کا پہلا باعث ہے اس ضروری چیز کے لیئے فکر چاہیئے فکر ہے تو ضرورتوں کے موافق سامان بنجاتا ہے اسوقت جب ہمیں طرح طرح کے سامان خدائے تعالیٰ نے مہیا کر دیئے ہیں تو یہ گویا خدائے تعالیٰ کی ناشکری ہوگی اگر ہم ان خدا کی عطا کردہ نعمتوں سے فائدہ اٹھا کر اُن قوانین پر غور نہ کریں جو خدا کی طرف سے مذہب نے مرتب کر کے ہمارے اعمال اور افعال کو انکے ماتحت کیا اسلیئے نہایت ضروری ہے کہ ہم مذہب کی نگہبانی کریں اور یہ جلسہ اسی لیئے قائم کیا گیا ہے اسلیئے میرے دل سے یہی دعا ہے کہ جسطرح کل کا دن امن و آرام سے گذرا ویسے ہی آج کا دن بھی گذرے ؛

تقریر خاتمہ جلسہ مولٰنا صاحب موصوف

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ (اما بعد) اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ مَلِكِ النَّاسِ

اِلٰهِ النَّاسِ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ٥

صاحبان اس جلسہ کی ضرورت اور اسکی خوبی پھر جس حسن وخوبی اور کامل امن و امان کے ساتھ یہ جلسہ ختم ہوا ہے اس کا بیان میرا منشاء نہیں کیونکہ ضرورت کا بیان ابتداء جلسہ میں مناسب اور اسکی خوبی کا تذکرہ جلسہ کی بسم اللہ میں پسندیدہ ہے رہا امن وامان کا بیان وہ محتاج بیان نہیں کیونکہ عیاں را چہ بیاں۔ صاحبان! اس جلسہ کے اغراض پر میں ریویو کرنیکو کھڑا نہیں ہوا کیونکہ اول تو ریویو کرنا اغراض جلسہ سے نہیں دوم میرے جیسے انسان کا یہ کام نہیں سوم اس کام کے لیئے بہت بڑے اوقات اور توجہات اور افکار وعلوم کی ضرورت ہے +

صاحبان! میں اس قلیل سے قلیل وقت میں آخری تقریر کرنے کے لیئے مامور کیا گیا ہوں۔ میں کھڑے ہوتے حیران تھا کہ کیا کہوں مگر کھڑے ہونے اور حیرانی کے بعد بھی دل میں آگیا کہ قرآن کریم کا خاتمہ جلسہ کے خاتمہ پر سنا دوں۔ قرآن شریف کتب سماویہ کی خاتم اور اسکی یہ سورۃ کہ جسکو مینے کھڑے ہوکر پڑھا ہے قرآن کریم کی خاتم ہے اس لیئے اس سورۃ کو بڑی مناسبت ہوگی +

صاحبان! آپ تعجب کرینگے کہ اس سورۂ شریف میں کسی خاص مذہب کو کوئی خصوصیت سے حملہ نہیں جیسے اس پاک کتاب کی ابتدائی سورۃ سورہ فاتحہ میں ایسی تعلیم اور دعا ہے جو سماوی اور اخلاقی مذاہب میں کسی مذہب پر زد نہیں +

صاحبان! مینے سورۃ کے پہلے ایک عربی کا ایسا فقرہ پڑھا ہے جسکو اسلام کا اصل اصول یقین کرنا چاہیئے یعنی کلمہ طیبہ جس کے معنی یہ ہیں کہ کوئی ایسی چیز جس سے ہم کو کامل محبت۔ کامل تعلق۔ جو کامل مطلوب۔ غایت مقصود ۔ اور معبود ہو اللہ تعالیٰ کے سوا نہیں + دنیا میں جسقدر سماوی مذہب آئے ۔ سب یہی تعلیم لائے مگر یادیوں

اور اس راہ کے دکھانیوالوں کی اتباع نے آخر ان توحید کے سکھانیوالوں ۔ سچا راہ دکھانیوالوں کو اللہ بنالیا مخلوق کو معبود ۔ بلکہ ان ہادیوں کو ہی خدا مان بیٹھے ان ہی سے کامل محبت ۔ کامل تعلق انہی کو کامل مطلوب اور غایت مقصود قرار دیا اسواسطے خاتم الانبیاء نے اپنی عبودیت کے اقرار کو اس کا لازمی جزو قرار دیدیا تو کہ اُمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پھر شرک میں گرفتار نہ ہو کیونکہ جب ہادی کامل کی عبودیت کو ہر وقت توحید کے ساتھ یاد رکھیں گے تو کسی دوسرے کو کیوں معبود بنانے لگے۔ مسلمان لوگ اسی واسطے علی العموم اسطرح شرک میں گرفتار نہیں جسطرح کہ اور اقوام اس کلمہ کے پڑھنے سے ایک مومن اپنا کامل مقصود ۔ اپنا کامل معبود ۔ اپنا کامل مطلوب اپنی غایت ایک ذات کو ٹھہراتا ہے جسے اللہ کہتے ہیں اور مقام شکر یہ ہے کہ عموماً جسقدر تقریریں مختلف مذاہب کی طرف سے جلسہ میں ہوئیں اُنہوں نے بھی اس مطلوب حقیقی کی حمد کی کہ جس کی شان میں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ آیا اور اسکی یہاں سب نے گواہی دی ؂

صاحبان ! اس کلمہ کے بعد اب میں اس سورۃ کے متعلق کچھ عرض کرتا ہوں جسکو میں نے پڑھا ہے قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۔ مَلِكِ النَّاسِ ۔ اِلٰهِ النَّاسِ ۔ اس سورہ شریف کے ابتدا میں باری تعالیٰ نے تین نام ظاہر فرمائے ہیں اور اس جلسہ کے پہلے سوال میں بھی ایسے ہی تین امور کا ذکر ہے کہ جنکا فرداً فرداً تعلق ان تین ناموں سے ہر وہ تین انسان کی جسمانی اخلاقی اور روحانی حالت کا بیان ہے قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۔ مَلِكِ النَّاسِ ۔ اِلٰهِ النَّاسِ ۔ غور فرمائیے ابتداء میں انسان ایک جسم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَیْــٴًـا اور بے ریب انسان کا بچہ جب ماں کے پیٹ سے نکلتا ہے تو بجز اسکے کہ اسکو جسمانی ضرورتیں سب سے پہلے پیش آتی ہیں اور کن علوم کی اسکو ضرورت ہے ؟ اور بالکل ظاہر ہے کہ اگر مولیٰ کریم رب العالمین انسان کی ربوبیت نہ فرماوے اور چوسنے پھر گلو سے اُتارنے کا علم نہ بخشے پھر ہضم کی نالیاں اس غذا پر تصرف نہ کریں پھر شریانوں میں اور پھیپھڑہ میں خون مصفا ہو کر جزو بدن نہ ہو تو انسانی نشو و نما کا کیا ٹھکانہ ہے اسی طرح

جسمانی غذا ہیں ماں کی چھاتیوں اور حیوانات کے عمدہ عمدہ دودھ میسر نہ آویں تو نوزائدہ انسان کی نسبت کسی کامیابی کی کیا اُمید ہو سکتی ہے اسی طرح روشنی اور ہوائیں عمدہ طور پر نہ پہنچیں تو انسان کی جانبری کیونکر ممکن ہے *

صاحبان انسان کی استحالت پر نظر کرو جو اسکو نطفگی کیحالتیں لاحق ہیں اور ہر انسان کے اس کمال و استواری پر نظر کر جاؤ جس میں وہ اپنے دائرہ کمال کی تکمیل کرتا ہے۔ اور پھر انصاف سے دیکھو کہ یہ تمام سامان کمالات جسمانیہ اپنے اصول و فروع سے کس نے عطا فرمائے تو آپ یقین فرمائینگے کہ ایک رَبُّ النَّاس جسنے ایک طرف اسکو جذب مواد طیبہ کی طاقتیں عطا فرمائیں دوسری طرف مواد طیبہ کا بے انت خزانہ مہیا فرمادیا چونکہ وہ ذات پاک طیب اور ہر ایک خبث و نجاست سے منزہ ہے انسان کے جسمانی حالات کی ترقی کے لیئے بھی اُس نے کیسے کیسے اسباب طیبہ مہیا کردیئے ہیں جب انسان اپنی جسمانی حالت کی ایک حد تک تکمیل کر لیتا ہے تو اسکی عمدہ پرورش کے بعد انسان کے اخلاق کا نشو و نما ہوتا ہے کبھی اسکو انواع و اقسام کی خواہشیں پیدا ہوتی ہیں اسلیئے رنگا رنگ خوراک کیلیئے قسم قسم کے غلے۔ پھل۔ پانی۔ عرق۔ شیرینیاں۔ ترشیاں جمع کرتا ہے پہننے کے واسطے اور ایسا ہی گرمی سردی ہوا روشنی بارش اور گرد و غبار سے بچنے کے لیئے ایسا ہی محنت و مزدوری عیش و عشرت جنگ وغیرہ وغیرہ حالات مختلفہ کے لیئے اسے مختلف اسباب مہیا کرنے پڑتے ہیں اپنے آرام کی خاطر اسکو مکانات بنانے پڑتے ہیں جن میں انسان کو گرمی۔ سردی۔ غبار۔ بارش کا لحاظ کرنا پڑتا ہے اپنی ضروریات کے واسطے مختلف چیزیں رکھنا چاہتا ہے۔ قوائے شہوانیہ اور بقائے نسل کے خیال سے اسکو جوڑے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ قوائے غضبیہ کو بھی اسے جوش میں لانا پڑتا ہی جب دیکھتا ہے کہ اسکے اغراض اور مطالب ضروریہ اور صحیحہ میں کوئی روک ڈالتا ہے انسان کو اپنے مطالب جسمانیہ اور اخلاقیہ میں گاہے قوت استقلال و ہمت بلند کے ساتھ شجاعت و بہادری سے بھی کام لینا پڑتا ہے اور جب اس کے بنی نوع سے کوئی اسکا مقابلہ کرتا ہی

اور اسکے اغراض و مطالب اور شہوات و بلند حوصلگی و کامیابی میں حملہ کرتا ہے تو اسکو بادشاہوں اور حکام کی احتیاج پڑتی ہے اور کبھی حکام میں سے اسکا محتاج الیہ حاکم ۔ قوت عدل ۔ انصاف ۔ رحم ۔ شفقت ۔ غور و فکر سے کام نہیں لیتا تو اسکی فطرت کو ایک ایسی عظیم الشان طاقت کی طرف جھکنا پڑتا ہے جو سب حکام کا حاکم اور بادشاہوں کا بادشاہ ہے اسکے حضور گڑگڑاتا ہے کہ میرے دشمنوں اور میرے ظالم حاکموں کو تو انصاف کر اور میرے مطالب و مقاصد میں تو میرا انصاف فرما اس بادشاہ عظیم الشان کا نام ملک الناس ہے"

نیز خود انسان کے لیئے اگرچہ اکثر اوقات ایسے بادشاہ ہوتے ہیں جو اسکو جرائم کے ارتکاب اور امن کے خلاف ورزی پر سزا دیتے ہیں مگر بعض جگہ اور بعض موقعوں پر یا تو حکام و بادشاہ موجود ہی نہیں ہوتے جیسے بعض مہذب بلاد میں بھی بعض وقت ایسا معاملہ پیش آجاتا ہے اور بعض مکانات اور میدانوں پہاڑوں میں ایسا اتفاق ہوتا ہے اور غیر مہذب بلاد میں تو اکثر ہی ایسے مواقع پیش آتے رہتے ہیں نیز ارتکاب جرم کے وقت اگر دنیوی حکام اور ناظم اگرچہ اپنے قوانین کے رو سے انسان کی اخلاقی حالت اور انسان کی تمدنی اور سوشل حالت پر اثر ڈال سکتے ہیں جیسے اوپر مفصل طور پر بیان کیا ہے مگر انسان کے اندرونی جوشوں پر جسکی باعث کوئی انسان جرم کا ارتکاب کرتا ہے ایک ایسی زبردست طاقت کا اعتقاد انسان کی اخلاقی حالت کی اصلاح کیلیئے ضروری ہے جسکی نگرانی پر یقین انسان کو ہیاتنگ بڑھا ہوا ہو کہ وہ انسان کے موجودہ یا آئندہ ارادوں کا علم رکھتا ہے اور پھر قابل غور بد اخلاق کو سزا دیتا ہے اسکا نام اس سورۃ شریف میں الٰہ الناس ہے ۔ گیا معنی وہ بادشاہ جو انسان کے قوی علمیہ اور عملیہ اور انسان کے علم و عمل اور انسان کے کرم اندرون بلکہ گیا اندرون پر حکمران ہے پھر جسمانی اخلاقی دونوں حالتوں کی تکمیل کے بعد انسان کی روحانی حالت زور پکڑتی ہے اور ظاہر ہے کہ جب انسان کا جسم کمال پر پہنچا اور ہر قسم کی تکالیف سے صحیح و تندرست ہوا تو انسان کو اخلاق فاضلہ کی ضرورت ہوگی ، مگر جب جسم و اخلاق دونوں کمال کو پہنچ جاویں تو اب اسکو ابدی اور لازوال آرام کی خواہش پیدا ہوتی ہے اگر بقا کی خواہش انسان کی فطرت و جبلت میں ہوتی تو علم طب کی یہ ترقی ہم نہ دیکھتے جو آج نظر آتی ہے اور مذاہب کی تحقیقات پر کوئی جلسہ ہوتا نیکی اور نیک چلن کے اصول منضبط نہ ہوتے روح کی کامل محبت اور پورا پیار اور پوری چیز جسمیں روح کو کامل طمانیت ہی اس کا نام ہے اسلام میں اللہ

تمام تعلقات سے خواہ جسمانی ہوں اور خواہ اخلاقی اندرونی ہوں یا بیرونی جب انسان کو آرام نہیں ملتا تو یہ نام انسان کیلئے راحت بخش ہے اسکا نام ہے اِلٰہِ النَّاس۔ انسان کا اصل مطلب اور غایت درجہ کا محبوب اور معبود؛
غرض انسان نے تینوں حالتوں جسمانی۔ اخلاقی۔ روحانی میں جو جسم کا مربی قویٰ کا مربی روح کا مربی ہے اُسکو اس سورہ میں رَبِّ النَّاس کہا ہے اور وہ ذات جو جسمانی۔ اخلاقی۔ روحانی۔ افعال۔ اقوال۔ اعتقاد پر جزا دیتا ہے تب اُسکا نام ہے مَلِكِ النَّاس کہا ہے میرے پیارے امام حجۃ الاسلام نے اپنے بے نظیر مضمون میں اس کی مفصل بحث فرمادی ہے؛

اب غور فرمادیں جب اس سورۃ میں انسان کیحالتوں کی طرف اشارہ کرکے اللہ کریم نے فرمایا کہ رب بھی میں ہی ہوں اور بادشاہ بھی میں ہوں اور محبوب و مطلوب اور غایت مقصود بھی میں ہی ہوں تو میرے بندو مجھ کامل پاک ذات سے پناہ مانگ لو اور کہدو ہاں ہر ایک انسان تمہیں ایسے کہدے کہ میں ربوبیت اور ضرورت حکومت میں اور ضرورت محبت میں رَبِّ النَّاس۔ مَلِكِ النَّاس۔ اِلٰهِ النَّاس کی پناہ مانگتا ہوں اور پناہ بھی کس امر میں مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ؛

صاحبان! تم نے مختلف مضامین سُنے اور انہیں اس قسم کی باتیں تمہارے کانوں نے سنیں تمہاری آنکھوں پھر تمہارے دلوں تک پہنچیں جن میں صداقت اور کامل راستبازی ہوگی اور ایسی بھی جن میں محض کذب و افترا اور دھوکا ہوگا۔ یہ قرآن کی آخری سورۃ کیسی بے نظیر اور لطیف ہے جس میں یہ بیان ہے کہ تم اللہ کریم المولیٰ الرؤف الرحیم رب الناس ملک الناس الٰہ الناس سے پناہ مانگ لو ان تمام غلطیوں اور وسوسوں سے جو کسی موسوس کے نظارہ یا کلام سے پیدا ہوئے ہوں۔ کیونکہ ان وسوسوں کی مثال ہو بہو اُس تکلیف رساں کُتے کی سی ہے جو آٹھوں پہر کاٹنے کے لیئے طیار رہے جسطرح اس کُتے سے بچنے کے لیئے ہم کو اُس کے مالک کی پناہ مانگنی ہے اور اگر اُسکا مالک ہمیں بچانا چاہے اور اس کُتے کو دھتکار دے تو کیا مجال کہ وہ کُتا کسی کو کاٹ کھائے اسی طرح انسانی یا شیطانی وسوسوں سے بچنا بھی اس وجود کی پناہ سے ہوگا جو کل مخلوقات کا رب مالک اور محبوب ہے۔ وسواس نام ہے ہر ایک ایسی چیز کا جسکا بُرا ہونا ہم سے مخفی رہ گیا ہے اور جس کی بدی سے ہم بے خبر رہے اور اس کی شرارت ہمارے جسم پر یا اخلاق پر یا روحانی معاملات پر بُرا اثر ڈالتی ہو یا ڈالا ہو اور ہمیں اُسکی اطلاع نہ ملی ہو چاہے وہ مخفی چیز ہو چاہے وہ انسان ہاں شیطان بصورت انسان سے میں اپنے لیئے آپ یہ دعا مانگتا ہوں اور آپ کو یہ دعا مانگنے کی سفارش کرتا ہوں کہ اس جلسہ میں جو کچھ ہم نے سُنا ہمیں سے جو کچھ ہمارے جسم۔ اخلاق اور روح کیلیئے مفید نہ ہو بلکہ کسی نہ کسی مخفی طریق سے وہ نقصان رساں ہو اُسکی شر سے بچنے کیلیئے اُس ذات سے پناہ مانگیں جو رَبّ النّاس۔ ملک النّاس اور اللہ النّاس ہے کیونکہ الٰہی صفات سے ماتحت انسانی جسم۔ اخلاق اور روح کی تکمیل ہوتی ہے اور عرض کرتا ہوں کہ یہ قرآن کی خاتم اب اس جلسہ کا خاتم ہو۔ فقط

قاعدہ یسرنا القرآن

یعنی عربی کا قاعدہ جس کے پڑھنے سے ایک بچہ چھ ماہ میں قرآن شریف ختم کر لیتا ہے۔ ایسا مفید ثابت ہوا ہے اور اس قدر اسکی مانگ بڑھ گئی ہے کہ اب اس کا چوتھا ایڈیشن بھی قریب الاختتام ہے اور کچھ دنوں بعد احباب کو پانچویں ایڈیشن کا انتظار کرنا پڑیگا۔ درخواستیں جلدی آنی چاہئیں۔

پارہ اوّل دوم سوم چونکہ ایسے قرآن شریف یا علیحدہ پارے بہت کم ملتے ہیں جن پر اعراب صحیح لکھے ہوں اور قاعدہ یسرنا القرآن ختم کرکے بچے آسانی قرآن شریف پڑھ سکیں۔ ہم نے یہ دقت محسوس کرکے قاعدہ یسرنا القرآن کی طرز پر پارہ اوّل۔ دوم۔ سوم خاص اہتمام سے چھپوائے ہیں۔ جو احباب اپنے بچوں کو قاعدہ یسرنا القرآن شروع کرواتے ہیں۔ انہیں چاہیئے کہ قاعدہ ختم ہونے پر پہلے یہ پارے پڑھائیں تا بچہ کو قرآن شریف پڑھنے میں دقت نہ ہو۔ یہ پارے اُن بچوں کیلئے بھی مفید ہیں جو دوسرے قاعدے پڑھتے ہیں۔ کیونکہ انپر اعراب بہت صحیح اور اپنے اپنے موقعہ پر دیئے گئے ہیں۔

نیز ہم نے ایسے قرآن شریف بھی منگوائے ہیں جو نسبتاً بہت صحیح ہیں اور اعراب اپنے اپنے موقعہ پر صحیح دیئے ہیں۔ ہماری رائے میں عام قرآن شریفوں کی نسبت انپر پڑھنے سے بچوں کو بہت سہولت ہوگی۔ تینوں پارے ۳؍ فی پارہ کے حساب سے اور قرآن شریف بے جلد ۱۲؍ پر دفتر میگزین قادیان سے مل سکتے ہیں۔

قصائد احمدیہ من الامام حجۃ الاسلام حضرت اقدسؑ کی اردو اور فارسی نظمیں تو پہلے الگ شائع ہو چکی ہیں مگر ابتک آپکے عربی قصائد الگ رسالہ کی شکل میں شائع نہیں ہوئے تھے اب عربی قصائد بھی جمع کرکے ایک کتاب کی شکل میں شائع کیئے گئے ہیں۔ یہ قصائد معرفت معارف و اسرار سے لبریز ہیں اور حمد الٰہی اور نعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خزائن اور حضرت اقدسؑ